100 مختصر فتاویٰ

(حصہ 4)

از

ابو الحسن حافظ محمد حق نواز مدنی عفی عنہ

نظرِ ثانی

ابو احمد مفتی انس رضا قادری مدنی دامت برکاتہم

پیشکش: الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ   وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

میں بس انسان ہوں، مسلمان نہ ہونے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑھتا، جملے کا شرعی حکم

سوال: مفتی صاحب، جو کہے کہ میں بس انسان ہوں، مسلمان نہ ہونے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس پر کیا حکم ہے؟

(سائل: ارسل عطاری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

سوال میں بیان کیا گیا جملہ کفریہ ہے کیونکہ اس جملے میں اپنے مسلمان ہونے کی نفی یا مذہبِ اسلام سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار ہے، اور پھر اس جملے میں متکلم کا انسانیت کو مذہب پر فوقیت دینا بھی واضح ہے، جبکہ یہ تینوں باتیں کفر ہیں. دہریہ لوگ جو خُدا اور مذہب کے منکر ہیں وہ اس طرح کے جملوں کو عام کرتے ہیں کہ لوگ مذاہب سے آزاد ہو کر فقط انسانیت کی خدمت کریں، لہذا ایسے جملوں سے پرہیز لازم ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عالَمِ انسانیت کو پیدا کرنے والی ذات کے پسندیدہ دین، دینِ اسلام کو پسِ پُشت ڈالنے والے بظاہر انسانی شکل وصورت والے جاہلوں کو اللہ تبارک وتعالی نے قرآن پاک میں جانوروں سے بھی بدتر کہا ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے : اُولٰٓىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّؕ-اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ترجمہ : یہ لوگ (کافر) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ وہی غفلت میں پڑے ہیں۔

(القرآن، پارہ 9، سورۃ الأعراف، آیت 179)

فتاوی ہندیہ میں ہے : **من شك في إيمانه ۔۔ ومن اعتقد أن الإيمان والكفر واحد فهو كافر ومن لا يرضى بالإيمان فهو كافر كذا في الذخيرة.** یعنی جسکو اپنے ایمان میں شک ہو۔۔ اور جو یہ اعتقاد رکھے کہ ایمان و کفر ایک ہے یا کوئی ایمان پر راضی نہ ہو تو وہ کافر ہے۔

[الفتاوی الھندیۃ، الباب التاسع، مطلب فی موجبات الکفر، ۲/۲۵۷]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

03 جمادی الاول 1445ء 18 نومبر 2023ھ

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، بعض لوگ صرف لاحول ولا قوۃ پڑھتے ہیں الا باللہ نہیں پڑھتے، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ (سائل: احقر العباد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

صرف لاحول ولا قوۃ پڑھنا بُرا ہے، لہذا اس سے بچنا چاہیے، البتہ ایسا پڑھنا کفر نہیں کیونکہ یہاں نفی اپنی قوت وطاقت کی ہوتی ہے نہ کہ اللہ تبارک وتعالی کی قوت وطاقت کی۔

فتاوی رضویہ شریف میں اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمتہ سے صرف لاحول ولا قوۃ بولنے کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: عند الحاجۃ صرف لاحول ولا قوۃ یا لاحول پر اقتصار قبیح ہے کفر سے کوئی علاقہ نہیں کہ اپنے حول وقوت کی نفی کے لئے ہے علی ہذا صرف لاحول کہنا حرج نہیں رکھتا۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 14، صفحہ 607، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

21 ربیع الثانی 1445ء 06 نومبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، حرام کمائی سے ثواب کی نیت سے صدقہ وغیرہ کرنے سے بندہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو اب جو سنگر وغیرہ اپنی کمائی سے صدقہ کی نیت سے ہسپتال بنا رہے ہیں یا قربانی عمرہ و حج وغیرہ کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں ان کے ایمان کا کیا حکم ہے؟ (سائل: صغیر احمد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

جب تک قطعی طور پر معلوم نہ ہو کہ جو پیسہ یہ شخص راہ خدا میں دے رہا ہے، بعینہ یہی حرام ہے تب تک حکم کفر نہیں لگا سکتے، اور عموماً اسطرح کے کام کرنے والے لوگوں کی تمام آمدنی حرام نہیں ہوتی، کیونکہ بعض اوقات ان لوگوں کی آمدن کسی حلال کاروبار وغیرہ سے بھی ہو رہی ہوتی ہے، یونہی ان لوگوں کو وقتاً فوقتاً تحائف اور انعامات بھی دیے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اب جبکہ ان کی حلال و حرام آمدن مکس ہوتی ہے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے بعینہ حرام پیسہ ہی اللہ کی راہ میں خرچ کیا، جس پر حکم کفر لگایا جائے، ہاں واقعی اگر کوئی بعینہ حرام پیسہ ہی اللہ کی راہ میں دے کر ثواب کی امید رکھے تو اسے فقہائے کرام نے کفر لکھا ہے۔

در مختار میں ہے: **وفی شرح الوهبانية عن البزازية إنما يكفر إذا تصدق بالحرام القطعي، أما إذا أخذ من إنسان مائة ومن آخر مائة وخلطهما ثم تصدق لا يكفر لأنه ليس بحرام بعينه بالقطع لاستهلاكه بالخلط** یعنی شرح وہبانیہ میں بزازیہ کے حوالے سے ہے (حرام مال صدقہ کرنے سے) کفر تب ہوتا ہے جب یقینی حرام مال صدقہ کرے، بہر حال جب ایک انسان سے سو (روپے) لیے اور دوسرے سے بھی لیے اور ان دونوں کو مکس کر دیا پھر صدقہ کیا تو کافر نہ ہو گا کیونکہ یہ مال بعینہ یقینی حرام نہیں، اسکی طرف سے مکس کر کے ہلاک کرنے کے سبب۔ (الدر المختار وحاشية ابن عابدين، كتاب الزكوة، 292/2)

فتاوی امجدیہ میں، ایسے ایک سوال کے جواب میں ہے: ظاہر یہ ہے کہ حرام مال کے خرچ کرنے پر امید ثواب رکھنا کفر ہے، مگر جو شخص سود کھاتا ہے اس کے متعلق یہ کیونکر کہا جائیگا کہ جو روپیہ اس نے زکوٰۃ میں دیا وہ سود اور حرام تھا ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنا حلال روپیہ زکوٰۃ میں دیا ہو۔ (فتاوی امجدیہ، جلد 4، ص 290)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــہ

ابو الحسن محمد حق نواز مدنی

05 ربیع الثانی 1445ھ 21 اکتوبر 2023ء

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

غوث پاک یا کسی ولی کے مزار کا طواف کرنا

سوال: جب کعبہ غوث پاک کا طواف کر سکتا ہے تو پھر ہم غوث پاک کے مزار کا طواف کیوں نہیں کر سکتے؟

(سائل: ابو العمار قادری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

شرعاً کسی بھی قبر یا مزار شریف کا طواف تعظیمی کرنا، ناجائز و حرام ہے، کیونکہ یہ طواف خانہ کعبہ شریف کے ساتھ خاص ہے، نیز کسی بھی روایت یا قول سے کعبہ شریف کا غوث پاک کے مزار کا طواف کرنا ثابت نہیں۔

اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ، المسلک المتقسط کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: لایطوف ای لایدور حول البقعة الشریفة لان الطواف من مختصات الکعبة المنیفة فیحرم حول قبور الانبیاء و الاولیاء یعنی متبرک مقام کا طواف نہ کرے یعنی اس کے گرداگرد نہ گھومے، اس لئے کہ طواف کرنا کعبہ معظمہ کی خصوصیات سے ہے۔ لہذا انبیاء کرام اور اولیائے عظام کی قبروں کے آس پاس گھومنا (طواف کرنا) حرام ہے۔ (المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین)

(فتاوی رضویہ، ج 22، ص،394، رضا فاؤنڈیشن)

فتاوی رضویہ میں ہے: مزار کا طواف کہ محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بخانہ کعبہ ہے

(فتاوی رضویہ، جلد 9، ص 528، رضا فاؤنڈیشن)

ایک اور مقام پر طواف مزار کے متعلق فرماتے ہیں: اگر دونوں باتیں جمع ہیں یعنی طواف خود مقصود بالذات ہے اور اس سے تعظیم ہی مراد ہے تو بلاشبہہ حرام ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج 22، ص،394، رضا فاؤنڈیشن)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

15 ربیع الثانی 1445ء 31 اکتوبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

اس بات کا تو میرے فرشتوں کو بھی نہیں پتا، کہنے کا شرعی حکم؟

سوال: مفتی صاحب، یہ کہنا کیسا کہ یہ بات میرے یا فلاں کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم؟ (سائل: احقر العباد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

مذکورہ جملہ بولنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ اُردو زبان کا ایک محاورہ ہے جسے بولنے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں یعنی اگر میں نے ایسی کوئی بات کبھی سوچی بھی ہوتی تو میرے فرشتوں کراما کاتبین کو ضرور معلوم ہوتی، یہ جملہ بولنے والے کا مقصد فرشتوں کی توہین یا انکے علم کی نفی نہیں ہوتی، خصوصاً جب متکلم مسلمان ہو کیونکہ ہر مسلمان کا کراما کاتبین کے متعلق، پختہ ایمان ہے کہ وہ ہمارے چھوٹے، بڑے ہر قول و فعل سے باخبر ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے : وَاِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ، کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ، یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ترجمہ : اور بیشک تم پر کچھ ضرور نگہبان مقرر ہیں۔ معزز لکھنے والے۔ وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ (القرآن، سورۃ الانفطار، آیت 10 تا 12)

فتاوی اہلسنت میں ہے : یہ جملہ کفریہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں فرشتوں کی توہین نہیں ہے، یہ جملہ اردو زبان کا محاورہ ہے اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس بات سے تو میں محض ناواقف ہوں، یہ بات تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں ہے، یعنی اگر یہ میرے گمان میں بھی ہوتی، تو کراما کاتبین کو ضرور معلوم ہوتی۔

(فتاوی اہلسنت غیر مطبوعہ، فتوی نمبر: Lar-8962، تاریخ اجراء: 19 ذوالحجہ 1440ھ / 21 اگست 2019ء)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

23 ربیع الثانی 1445ء 08 نومبر 2023ھ

وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

یہودی مذہب کو بُرا نہ سمجھنا، اُسکی حمایت کرنا

سوال: مفتی صاحب، حال ہی میں، شبر زیدی نامی ایک شخص نے، ایک انٹرویو کے دوران اسرائیل کی حمایت میں، اس بات کا اظہار کیا کہ یہودی ہونا کوئی بُری بات نہیں، اس طرح کے افکار و نظریات کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے وہی دین اللہ تعالی کا پسندیدہ دین ہے، اس دین کے مقابل یہودی، عیسائی وغیرہ دیگر ادیان پر ایمان لانا یا ان باطل مذاہب کو دینِ اسلام پر فوقیت دینا، اسلام سے اچھا سمجھنا یا اسلام کے برابر سمجھنا کفر و ہلاکت ہے، ایسے عقائد و نظریات سے توبہ لازم ہے، لہذا یہودی مذہب کو اچھا سمجھ کر یا اسلام کے برابر کا سمجھ کر اسکی پیروی یا حمایت کرنے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں یہاں تک کہ خود حضرت موسی علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی پیروی کرتے۔ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں فرمایا: **اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ** ترجمہ: بیشک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

(القرآن، پارہ3، آل عمران، آیت نمبر19)

مزید فرمایا: وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُۚ-وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ترجمہ: اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا تو وہ اس سے ہر گز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

(القرآن، پارہ3، سورۃ آل عمران، آیت نمبر85)

حضور علیہ السلام نے فرمایا: والذی نفسی بیدہ، لو کان موسی حیا ما وسعہ إلا أن یتبعنی یعنی اللہ کی قسم، اگر موسی علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انکے لیے بھی میری پیروی کے علاوہ گنجائش نہ ہوتی۔ [مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الأدب]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

05 جمادی الاول 1445ء 20 نومبر 2023ھ

وعلیٰ الک واصحابک یاحبیب اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

عیسی علیہ السلام کی عمر مبارک

سوال: مفتی صاحب، حضرت عیسٰی علیہ السلام کو جب دنیا سے آسمانوں کی طرف اُٹھایا گیا، تب آپ علیہ السلام کی عمر مبارک کتنی تھی؟

(سائل: غلام شبیر رضا عطاری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

مستند مفسرین کے مطابق 30 سال کی عمر میں حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف وحی نبوت بھیجی گئی اور جب آپ کو آسمان کی طرف اُٹھایا گیا تو اُسوقت آپ کی عمر مبارک 33 سال تھی۔

علامہ شیخ اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: قال وهب بن منبه بعث عيسى على رأس ثلاثين سنة و رفعه الله وهو ابن ثلاث وثلاثين سنة وكانت نبوته ثلاث سنين. یعنی وہب بن منبہ نے فرمایا: اللہ پاک نے عیسی علیہ السلام کو 30 سال کی عمر میں مبعوث فرمایا، اور جب آپ کو آسمان کی طرف اُٹھایا تو اُس وقت آپ 33 سال کے تھے، اور آپ کی نبوت 3 سال تک رہی۔

[إسماعيل حقي، روح البيان، سورة النساء، آيت 158، ۲/۳۱۹]

تفسیر مظہری میں ہے: واوحى الله الى عيسى وهو ابن ثلاثين سنة و رفعه الله من بيت المقدس ليلة القدر من شهر رمضان وهو ابن ثلاث وثلاثين سنة وكانت نبوته ثلاث سنين وعاشت مريم بعد رفعه ست سنوات یعنی اللہ پاک نے عیسی علیہ السلام کی طرف 30 سال کی عمر میں وحی فرمائی اور بیت المقدس سے، ماہ رمضان شب قدر میں، آپ کو آسمان کی طرف اُٹھایا، اُس وقت آپ 33 سال کے تھے، اور آپ کی نبوت 3 سال تک رہی، اور اسکے بعد آپ کی والدہ بی بی مریم 5 سال تک زندہ رہیں۔

[المظهري، محمد ثناء الله، التفسير المظهري، سورة آل عمران، آيت 58، ۵۸/۰]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

22 جمادی الاول 1445ء 07 دسمبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

کیا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے زہر پیا، کیوں پیا؟ ہمارے لیے زہر وغیرہ موذی چیزیں کھانا، پینا

سوال: مفتی صاحب، کیا ایسی کوئی روایت ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زہر کا پیالہ پیا ہو، حوالہ دے دیں؟

(سائل: حسن علی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

مصنف ابی شیبہ، السنن الکبری، مسند احمد وغیرہ دیگر کتب احادیث میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے زہر پیا۔ مختصرا یہ کہ ایک جنگ پر جاتے ہوئے مقام حیرہ پر کچھ لوگوں نے آپ کو ڈرایا کہ عجمی لوگ زہر پلا کر مار دیتے ہیں لہذا آپ اس سے بچنا اس پر آپ نے زہر منگوا کر بسم اللہ پڑتے ہوئے پی لیا اور کچھ نقصان نہ ہوا، البتہ یہ یاد رہے کہ زہر کا آپ کو نقصان نہ پہنچانا آپ کی کرامت ہے، ہمارے لیے زہر وغیرہ موذی اشیاء کھانا پینا جائز نہیں۔

زہر وغیرہ پینے اور اس واقعے کی وضاحت میں علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: **وهو عدم جوازه لأنه يفضي إلى قتل نفسه فإن قلت: أخرج ابن أبي شيبة وغيره: أن خالد بن الوليد رضي الله عنه لما نزل الحيرة قيل له: احذر السم لا يسقيكه الأعاجم، فقال: ائتوني به، فأتوه به فأخذه بيده، ثم قال: بسم الله، واقتحمه فلم يضره. قلت: وقع هكذا كرامة لخالد فلا يتأسى به، ويؤكد عدم جوازه حديث أبي هريرة،** یعنی زہر پینا ناجائز ہے کیونکہ یہ قتل نفس کا سبب ہے، پس اگر تو اعتراض کرے کہ جب خالد بن ولید سے مقام حیرہ پر کہا گیا کہ زہر سے بچنا، کہیں عجمی لوگ آپ کو زہر دے کر مار نہ دیں، تو آپ نے فرمایا زہر لاؤ، جب زہر لایا گیا تو آپ نے بسم اللہ کہتے ہوئے پی لیا، جس سے آپ کو کوئی نقصان نہ ہوا، میں کہتا ہوں یہ خالد بن ولید کی کرامت ہے، اس کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا، زہر پینے کا عدم جواز حدیث ابو ہریرہ سے تاکیدا ثابت ہے۔ **[عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب العدۃ، باب شرب السم والدواء بہ]**

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

03 ربیع الثانی 1445ء 19 اکتوبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

مروجہ 6 کلموں کی شرعی حیثیت، ماننے نہ ماننے کا حکم

سوال: مفتی صاحب، 6 کلمے کہاں سے ثابت ہیں، انکو ماننے نہ ماننے کا کیا حکم ہے، ایک عالم صاحب یہ کہہ رہے تھے کہ یہ صرف پاکستان و انڈیا میں ہیں، عرب دنیا میں نہیں، کیا ایسا ہی ہے؟ (سائل: محمد حاشر حسین)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

مروجہ 6 کلموں میں پائے جانے والے تمام مضامین مثلاً توحید و رسالت، اللہ تعالی کی تسبیح، تحمید و صفات، استغفار اور کفر و شرک سے براءت وغیرہ، کثیر قرآنی آیات و احادیث سے ثابت ہیں جنکا انکار کوئی بھی مومن نہیں کرتا، اور یاد کرنے میں آسانی کے لیے ان مضامین کو 6 الگ الگ کلموں کے طور پر لکھا اور بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ پاک و ہند میں معروف ہے، البتہ شریعت میں ان کی کوئی خاص تعداد متعین نہیں جسکا انکار کرنے پر شریعت کی مخالفت یا کمی بیشی کرنے پر کوئی حکم لگے۔

فتاوی فقیہ ملت میں ہے: تمام اسلامی کلموں کے مضامین احادیث طیبات سے ثابت اور اس میں وارد ہیں، اور ان کے بارے میں کوئی متعین تعداد شرع میں وارد نہیں ہے کہ کم و بیش سے اس کی مخالفت اور حرج لازم آئے۔ (فتاوی فقیہ ملت، کتاب الشتی، جلد 2، صفحہ 434، شبیر برادرز)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

09 ربیع الثانی 1445ء 25 اکتوبر 2023ھ

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

کیا حدیث میں ہے کہ ایک عورت چار مردوں کو جہنم لے کر جائے گی؟

سوال: مفتی صاحب، کیا یہ حدیث مبارکہ إذا دخلت المرأة إلى النار أدخلت معها اربعة : أباها وزوجها و أخاها و ابنها یعنی ایک عورت چار مردوں کو جہنم میں لے جائے گی، درست ہے؟ (سائل: عدنان ملک)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

احادیث کی کتابوں میں ان الفاظ کے ساتھ کوئی روایت نہیں ملی، لہذا اس منگھڑت روایت کو بطور حدیث آگے نہ بیان کیا جائے، نیز مفہوما بھی یہ روایت دُرست نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو نوح اور لوط علیہما لسلام کی بیویوں کا جہنم میں جانا قرآن سے ثابت ہے، جبکہ یہ دونوں نبی قطعی جنتی ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: **ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍؕ-كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـا وَّ قِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ** ترجمہ: اللہ کافروں کی مثال دیتا ہے نوح کی عورت اور لوط کی عورت وہ ہمارے بندوں میں دو سزا وارِ قرب بندوں کے نکاح میں تھیں پھر انہوں نے ان سے دغا کی تو وہ اللہ کے سامنے انہیں کچھ کام نہ آئے اور فرما دیا گیا کہ تم دونوں عورتیں جہنم میں جاؤ جانے والوں کے ساتھ۔

(القرآن، سورۃ التحریم، آیت نمبر10)

اس من گھڑت روایت کے متعلق حبیب الفتاوی میں ہے: آج تک میری نظر سے اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں گذری اور تلاش کرنے پر بھی کہیں نہیں ملی لہذا زید کی بات پر ہر گز کوئی دھیان نہ کرے اگر زید سچا ہے تو حدیث معتبر دکھائے اور بتائے تا کہ اس کی تحقیق کی جاسکے۔

(حبیب الفتاوی، جلد 4، صفحہ 300، مسائل شتی)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

25 ربیع الاول 1445ھ 12 اکتوبر 2023ء

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، ایسی کوئی حدیث یا قول ہے کہ جس جگہ استاد کی مار پڑے گی، اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی؟

(سائل: اعظم احمد عطاری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

کُتب حدیث میں ایسی کوئی روایت نہیں ملی اور نہ ہی کسی مستند عالم دین سے کبھی سنی، نہ ہی اس مفہوم کا کسی بزرگ کا کوئی قول ملا، لہذا جہنم کی آگ تو حرام نہ ہو گی، البتہ اسطرح کی روایات و مسائل بیان کرنا، اپنے اوپر جہنم کی آگ کو واجب کرنے کا سبب ضرور ہے کیونکہ حدیث پاک میں قصدا حضور علیہ السلام پر جھوٹ باندھنے والوں کا ٹھکانہ جہنم میں ہونے کی وعید ہے، نیز اسکے برعکس ایسی روایات و اقوال موجود ہیں جن میں بچوں کو مارنے سے منع کیا گیا، ہاں ضرورتاً بس ہلکی پھلکی ایسی مار کی اجازت ہے جو تین ضرب سے کم ہو اور ہاتھ سے ہو، لاٹھی یا ڈنڈے سے نہ ہو، لہذا اس من گھڑت بات کو حدیث کے طور پر بیان کرنا عقلاً نقلاً دونوں طرح باطل و ناجائز ہے۔

بخاری، مسلم و ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: **من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار** یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

[الترمذی، محمد بن عیسی، سنن الترمذی ت شاکر، ابواب العلم، ۳۵/۵]

در مختار مع رد المحتار میں ہے: **(وإن وجب ضرب ابن عشر عليها بيد لا بخشبة) ولا يجاوز الثلاث، وكذلك المعلم ليس له أن يجاوزها، قال عليه الصلاة والسلام لمرداس المعلم إياك أن تضرب فوق الثلاث، فإنك إذا ضربت فوق الثلاث اقتص الله منك** یعنی جب دس سال کے بچے پر نماز لازم ہو جائے تو اسے نماز کے معاملے میں ہاتھ سے مارا جائے گا لاٹھی سے نہیں اور تین مرتبہ سے تجاوز بھی نہ کیا جائے۔ یونہی استاد کے لئے جائز نہیں کہ تین مرتبہ سے تجاوز کرے، حضور علیہ السلام نے استاذ کا بچوں کو مارنے کے بارے میں فرمایا: تین مرتبہ سے زائد ضربیں لگانے سے پرہیز کرو کیونکہ اگر تم تین مرتبہ سے زیادہ سزا دی تو اللہ تعالی قیامت کے دن تم سے بدلہ لے گا۔

[الدر المختار و حاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

12 ربیع الثانی 1445ء 28 اکتوبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، ایسی کوئی حدیث ہے کہ جس کی فرض نمازیں مکمل نہ ہوں گی اور اس نے نفل پڑھے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نفلوں کو فرضوں کے بدلے قبول فرمالے گا؟ (سائل: آفتاب یاسین)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

ترمذی شریف میں یہ روایت موجود ہے، البتہ شارحینِ حدیث نے اس حدیث کا ایک مطلب یہ بیان کیا کہ اس سے مراد وہ فرائض ہیں جو ناقص ادا ہوئے یعنی انہیں ادا کرنے میں سنّتیں و آداب وغیرہ میں کمی ہوئی تو اللہ پاک نوافل کے ذریعے اس کمی کو پوری کر دے گا، یہ مراد نہیں کہ بندہ جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑ تا جائے، بس نوافل پڑھتا جائے کہ وہاں یہ نوافل فرض میں بدل جائیں گے، نیز نوافل سے فرائض کی کمی پوری کرنا بھی اللہ کے فضل پر موقوف ہے یعنی اگر اللہ تبارک و تعالی چاہے گا تو ایسے بندے کے فرضوں کی کمی نوافل سے پوری کر کے معاف فرما دے گا، اور اگر چاہے تو عدل والا معاملہ کرے اور فرائض کے ترک پر عذاب دے جیسا کہ حلیۃ الاولیاء و فتح الباری لابن رجب وغیرہ میں ہے۔

حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے: فإن انتقص من فريضته شيء، قال الرب عزوجل: انظروا هل لعبدي من تطوع فيكمل بها ما انتقص من الفريضة، یعنی اگر بندے کے فرضوں میں کمی ہو گی تو رب تعالی فرمائے گا کہ دیکھو کیا میرے بندے کے پاس کچھ نفل ہیں ان سے فرض کی کمی پوری کر دی جائے۔ [سنن الترمذي، أبواب الصلاة، ٢/٢٦٩]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں: (فإن انتقص من فريضته شيء) أي: من مكملاتها من السنن والآداب. ترجمہ: اگر فرض کو مکمل کرنے والی یعنی سنتوں اور آداب سے کچھ کم ہوا تو (اس کمی کو پورا کیا جائے گا)

[عبد الحق الدِّهلوي لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب التطوع، 3/441]

مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح میں ہے: یہاں کمی سے ادا میں کمی مراد نہیں بلکہ طریقۂ ادا میں کمی مراد ہے یعنی اگر کسی نے فرائض ناقص طریقہ سے ادا کیئے ہوں گے تو وہ کمی نوافل سے پوری کر دی جائے گی۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ بندہ فرض نماز نہ پڑھے نفل پڑھتا رہے اور وہاں نفل فرض بن جائیں۔ (مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد:2 حدیث نمبر:1330)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

25 ربیع الثانی 1445ء 10 نومبر 2023ھ

سر میں ٹانکے لگے ہوں تو غسل کیسے کریں؟

سوال: مفتی صاحب، میرے سر میں ٹانکے لگے ہوئے ہیں، ڈاکٹر نے پانی ڈالنے سے منع کیا ہے، لیکن میرے اوپر غسل فرض ہو گیا، اب میں کیسے غسل کر کے نماز پڑھوں؟ (سائل: عثمان خان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

اگر واقعی پانی بہانے سے نقصان ہو گا تو جب تک یہ عذر رہے سر کو دھونے کی بجائے مسح کر لیں، باقی پورے جسم پر پانی بہا دیں، غسل ہو جائے گا، چنانچہ فقہ حنفی کی معروف کتاب المبسوط میں ہے: فإن كانت الجراحات في رأسه قال يغسل جسده ويدع رأسه ويمسح على الجراحات بالماء یعنی اگر جنبی آدمی کے سر پر زخم ہوں تو وہ جسم دھوئے اور سر دھونے کو چھوڑ دے اور زخموں پر پانی سے مسح کرے۔ [الأصل المعروف بالمبسوط للشيباني، كتاب الصلاة]

علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمۃ، البحر الرائق میں فرماتے ہیں: وإن كان أكثر أعضائه صحيحا بأن كانت الجراحة على رأسه وسائر جسده صحيح، فإنه يدع الرأس ويغسل سائر الأعضاء یعنی اگر غسل کرنے والے شخص کے اکثر اعضاء صحیح ہوں اس طرح کہ اس کے سر پر زخم ہوں باقی سارا جسم صحیح ہو تو وہ سر دھونے کو چھوڑ دے اور باقی اعضاء کو دھوئے

[البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الطهارة، باب التيمم، ۱/۱۷۱]

بہار شریعت میں ہے: اگر سر پر پانی ڈالنا نقصان کرتا ہے تو گلے سے نہائے اور پورے سر کا مسح کرے۔

(بہار شریعت، تیمم کے مسائل، ج 1، حصہ 2، مکتبۃ المدینہ)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

26 جمادی الاول 1445ء 11 دسمبر 2023ھ

وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

الرضا قرآن وفقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، میں نے اپنے شہر میں موزے پہنے اور چند گھنٹوں بعد سفر پر روانہ ہو گیا، تو اب 24 گھنٹوں تک ہی مسح کر سکتا ہوں یا 72 گھنٹوں تک؟ (سائل: اسیر رضا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

پوچھی گئی صورت میں آپ کے لیے موزوں پر مسح کرنے کی مُدت تین دن تین رات یعنی 72 گھنٹے ہے، اور یہ مُدت اُسوقت سے شمار ہو گی جب موزوے پہننے کے بعد آپ کو حدث لاحق ہو گا (یعنی جب آپ بے وضو ہوں گے)

فقہ حنفی کی معروف کتاب ہدایہ شریف میں ہے: ومن ابتدأ المسح وهو مقيم فسافر قبل تمام يوم وليلة مسح ثلاثة أيام ولياليها یعنی جس نے مقیم ہونے کی حالت میں مسح کی ابتداء کی پھر ایک دن، رات مکمل ہونے سے قبل سفر پر روانہ ہو گیا تو اب تین دن، رات تک مسح کر سکتا ہے۔

[الهداية في شرح بداية المبتدی، کتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، ۳۱/۱]

بہار شریعت میں ہے: مقیم کو ایک دن رات پورا نہ ہوا تھا کہ سفر کیا تو اب ابتدائے حدث سے تین دن، تین راتوں تک مسح کر سکتا ہے۔ [بہارِ شریعت، موزوں پر مسح کا بیان، ج 1، حصہ 2، مکتبۃ المدینۃ]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

01 جمادی الثانی 1445ء 15 دسمبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

قالین یا جائے نماز کا ایک کنارہ ناپاک ہو تو نماز کا حکم

سوال: مفتی صاحب، کمرے میں ایک قالین بچھی ہے، وہ ایک کونے سے یا درمیان سے ناپاک ہو جائے تو کیا اُسکے دوسرے کونے میں نماز پڑھ سکتے ہیں؟ (سائل: محمد زید)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

اس صورت میں قالین کے پاک حصے پر نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی، البتہ نجاست والی جگہ سے دور نماز پڑھنا بہتر ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری البحر الرائق میں فرماتے ہیں: ولو صلى على مكان طاهر إلا أنه إذا سجد تقع ثيابه على أرض نجسة جازت صلاته بالطريق الأولى؛ لأن قيامه على مكان طاهر ولو صلى على بساط وعلى طرف منه نجاسة فالأصح أنه يجوز كبيرا كان أو صغيرا یعنی اگر نمازی نے پاک جگہ پر نماز پڑھی لیکن جب سجدے میں گیا تو اُسکے کپڑے ناپاک زمین پر لگے، تو اُسکی نماز جائز ہے، کیوں کہ اُسکا قیام پاک جگہ پر ہے، اگر نمازی نے بچھونے پر نماز پڑھی اور اُس بچھونے کے ایک کنارے پر نجاست تھی تو بھی اصح قول کے مطابق نماز جائز ہے چاہے وہ بچھونا بڑا ہو یا چھوٹا۔

[ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ، باب شروط الصلاۃ، ۲۸۲/۱]

بہار شریعت میں ہے: نماز میں ہاتھ، پاؤں، پیشانی اور ناک رکھنے کی جگہ کا نماز پڑھنے میں پاک ہونا ضروری ہے، باقی جگہ اگر نَجاست ہو نماز میں حرَج نہیں، ہاں نماز میں نَجاست کے قرب سے بچنا چاہیے۔

(بہار شریعت، نجاستوں کا بیان، جلد 1، حصہ 2، مکتبۃ المدینہ)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

23 جمادی الاول 1445ء 08 دسمبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

ماربل والے ناپاک فرش پر گیلا کپڑا پھیرنا

سوال: مفتی صاحب، گھروں میں فرش ماربل کے بنے ہوتے ہیں ان پر اگر بچے پیشاب کر لیں تو عورتیں کپڑے سے پیشاب پونچھ دیتیں ہیں پھر گیلے کپڑے سے وہ جگہ صاف کر لیتی ہیں، کیا ایسے فرش پاک ہو جاتا ہے یا پانی بہانا لازم ہے؟ (سائل: محمد یونس)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

1 بہتر یہ ہے کہ ماربل والے فرش کو تین مرتبہ پانی بہا کر خشک کیا جائے، لیکن اگر کسی نے پانی بہائے بغیر کسی گیلے کپڑے وغیرہ سے اچھی طرح یوں صاف کر لیا کہ ناپاکی کا اثر ختم بالکل ہو گیا اور ہر بار کپڑا تازہ لیا یا اُسی کو پاک کر لیا تو بھی فرش پاک ہو جائے گا۔

2 اور اگر خشک کپڑے سے یوں صاف کیا کہ ماربل خُشک ہو گیا اور نجاست کا اثر ختم ہو گیا تو بھی فرش پاک ہو جائے گا کیونکہ فرشی ماربل اس معاملے بحکم زمین کے ہے، لیکن اس دوسری صورت میں یہ جگہ تیمم کے قابل نہ ہو گی۔

3 ایک آدھ دفعہ صرف اوپر اوپر کپڑا پھیرنے سے ناپاکی مزید پھیلتی ہے، اس طرح فرش پاک نہ ہو گا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: **الأرض تطھر بالیبس وذھاب الأثر للصلاۃ لا للتیمم، ولا فرق بین الجفاف بالشمس والنار والریح والظل ... الآجرۃ إذا کانت مفروشۃ فحکمھا حکم الأرض تطھر بالجفاف ... وکذا الحجر واللبنۃ.** یعنی زمین خشک ہونے اور اثر نجاست ختم ہونے سے نماز کے لیے پاک ہو جائے گی، تیمم کے لیے نہیں، اور سورج، آگ، ہوا اور سائے سے پاک ہونے میں کوئی فرق نہیں ... پکی اینٹ جو فرش پر لگائی گئی ہو، اسکا حکم زمین والا ہے کہ خشک ہونے سے پاک ہو جائے گی ... اور پتھر و کچی اینٹ کا بھی یہی حکم ہے۔ [الفتاوی الھندیۃ، کتاب الطھارۃ، الباب السابع فی النجاسۃ وأحکامھا، الفصل الأول]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

11 ربیع الاول 1445ء 28 ستمبر 2023ھ

الرضا قرآن وفقہ اکیڈمی آن لائن

تہجد کے دوران، وقت فجر داخل ہو جائے تو نماز کا حکم

سوال: مفتی صاحب، نماز تہجد پڑھتے ہوئے ٹائم ختم ہو گیا، سلام فجر کے وقت میں پھیرا، کیا حکم ہو گا؟ (سائل: سفیر فضل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

پوچھی گئی صورت میں یہ نماز تہجد ادا ہو جائے گی، کیونکہ فقط نماز فجر، جمعہ و عیدین میں وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے سلام پھیرنا ضروری ہے، بقیہ نمازوں میں اگر تکبیر تحریمہ وقت میں کہہ دی تو نماز ہو جائے گی اگرچہ سلام وقت ختم ہونے کے بعد پھیرا ہو۔

الجوہرہ النیرۃ میں ہے: **وفی التجنيس من صلى تطوعا فی آخر الليل فلما صلى ركعة طلع الفجر كان الإتمام أفضل... ولا ينوبان عن سنة الفجر على الأصح** یعنی جس نے نماز کے آخری حصے میں نماز شروع کی، پھر جب ایک رکعت پڑھی تو فجر طلوع ہو گئی، تو اُسکے لیے اس نماز کو مکمل کرنا افضل ہے... صحیح قول کے مطابق، یہ دونوں رکعتیں سُنت فجر کے قائم مقام نہیں۔

[الحدادی، الجوهرة النيرة على مختصر القدوری، کتاب الصلاۃ، باب النوافل، ۱/۷۰]

مجمع الانہر میں ہے: **لو شرع فی الوقتية عند الضيق ثم خرج الوقت فی خلالها لم تفسد وهو الأصح** یعنی کسی نے اگر وقت تنگ ہونے کے وقت وقتی نماز شروع کر دی پھر نماز پڑھنے کے دوران وقت ختم ہو گیا تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔

[مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت، ۱/۱۴۶]

بہارِ شریعت میں ہے: وقت میں اگر تحریمہ باندھ لیا تو نماز قضا نہ ہوئی بلکہ ادا ہے۔ مگر نماز فجر و جمعہ و عیدین کہ ان میں سلام سے پہلے بھی اگر وقت نکل گیا نماز جاتی رہی۔ (بہارِ شریعت، جلد 01، حصہ 04، صفحہ 701، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

04 جمادی الثانی 1445ء 18 دسمبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

ظہر کی نماز کے دوران عصر کی اذان ہو جائے

سوال: مفتی صاحب، اگر ظہر کی نماز اتنی لیٹ ہو گئی کہ فرض شروع کیے اور عصر کی اذان شروع ہو گئی، تو اب ظہر کی نماز ادا ہو گی یا قضاء؟ (سائل :صوفی عرفان علی چشتی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

پوچھی گئی صورت اگر آپ نے نماز ظہر کا وقت ختم ہونے سے قبل تکبیر تحریمہ کہہ لی تھی، تو آپ کی نماز اداء کہلائے گی، قضاء نہیں، اگرچہ سلام عصر کا وقت داخل ہونے کے بعد پھیرا ہو، البتہ بغیر کسی عذر کے نمازوں میں اتنی تاخیر کرنا درست نہیں۔

مجمع الانہر میں ہے : **لوشرع فی الوقتیة عند الضیق ثم خرج الوقت فی خلالها لم تفسد وهو الأصح** یعنی کسی نے اگر وقت تنگ ہونے کے وقت وقتی نماز شروع کر دی پھر نماز پڑھنے کے دوران وقت ختم ہو گیا تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔

[مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ۱۴۶/۱]

بہارِ شریعت میں ہے: وقت میں اگر تحریمہ باندھ لیا تو نماز قضا نہ ہوئی بلکہ ادا ہے۔ مگر نماز فجر و جمعہ و عیدین کہ ان میں سلام سے پہلے بھی اگر وقت نکل گیا نماز جاتی رہی۔

(بہارِ شریعت، جلد 01، حصہ 04، صفحہ 701، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

09 ربیع الثانی 1445ھ 25 اکتوبر 2023ء

الرضا قرآن وفقہ اکیڈمی آن لائن

قعدہ اخیرہ میں ثناء یا بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا

سوال: مفتی صاحب، اگر نمازی نے قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد ثناء یا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لیا تو کیا نماز ہو جائے گی، سجدہ سہو کا کیا حکم ہے

(سائل: محمد محفوظ عالم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

پوچھی گئی صورت میں نماز ہو جائے گی، سجدہ سہو وغیرہ کی بھی حاجت نہیں کیونکہ قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد کا مقام ذکر و دُعا کا محل ہے، یہاں دُعا وثناء پر مشتمل کلمات پڑھنے سے سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: **إن قرأ قبل التشهد فی القعدتين فعليه السهو لترك واجب الابتداء بالتشهد أول الجلوس وإن قرأ بعد التشهد فإن كان فی الأول فعليه السهو لتأخير الواجب وهو وصل القيام بالفراغ من التشهد وإن كان فی الأخير فلا سهو عليه لعدم ترك واجب لأنه موسع له فی الدعاء والثناء بعده فيه والقراءة تشتمل عليهما** یعنی اگر کوئی آیت دونوں قعدوں میں کوئی آیت پڑھی تو نمازی پر سجدہ سہو لازم ہے بیٹھنے کی ابتداء میں پہلے قراءت تشہد کا واجب ترک ہونے کے سبب، اور اگر آیت تشہد کے بعد پہلے قعدے میں پڑھی تو اُس پر سجدہ سہو ہے تشہد کے فوراً بعد قیام کرنے والے واجب میں تاخیر کے سبب، اور اگر قعدہ اخیرہ میں پڑھی تو سجدہ سہو لازم نہیں ترک واجب نہ ہونے کے سبب کیونکہ اس مقام میں دُعا وثناء کی گنجائش ہے، اور قراءت دُعا وثناء پر مشتمل ہے۔

[حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلاۃ، باب سجود السهو]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

08 جمادی الثانی 1445ھ 22 دسمبر 2023ء

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، کیا دورانِ نماز قومہ میں سمع الله لمن حمده کے بعد ربنا ولك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا پڑھ سکتے ہیں؟ (سائل: عدنان رضا قادری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

دورانِ نماز قومہ میں ربنا ولك الحمد کے بعد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه پڑھنا جائز ہے البتہ بہتر ہے فرض نمازوں میں یہ اضافہ نہ کرے۔ بخاری شریف میں ہے: عن رفاعة بن رافع الزرقي، قال: كنا يوما نصلي وراء النبي صلى الله عليه وسلم، فلما رفع رأسه من الركعة قال: سمع الله لمن حمده، قال رجل وراءه: ربنا ولك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه، فلما انصرف، قال: من المتكلم قال: أنا، قال: رأيت بضعة وثلاثين ملكا يبتدرونها أيهم يكتبها أول یعنی حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہم ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ نے رکوع سے سر اٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو ایک شخص نے ربنا ولك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه پڑھا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: یہ کلمات کس نے کہے تھے؟ وہ شخص بولا: میں نے پڑھے تھے۔ آپ نے فرمایا: میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان کلمات کی طرف لپک رہے تھے کہ کون انہیں پہلے لکھے۔ [البخاری، صحیح البخاری، باب فضل اللهم ربنا لك الحمد، ۱۵۹/۱]

در مختار میں ہے: ليس (بعد رفعه من الركوع) دعاء، وكذا لا يأتي في ركوعه وسجوده بغير التسبيح (على المذهب) وما ورد محمول على النفل یعنی رکوع سے اُٹھنے کے بعد دعا نہیں ہے، یونہی رکوع و سجود تسبیح کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھے، اور جو تسبیحات وغیرہ وارد ہوئیں ہیں وہ نفل نماز پر محمول ہے۔ [الدر المختار وحاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، فصل فی بیان تالیف الصلاۃ، ۵۰۶/۱]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

08 جمادی الاول 1445ء 23 نومبر 2023ھ

آن لائن
الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی

سوال: مفتی صاحب، دو رکعتی نماز میں دوسری رکعت میں تشہد پڑھ کر غلطی سے کھڑے ہو گئے، کھڑے ہوتے ہی یاد آ گیا تو نماز کیسے مکمل کریں، تشہد پڑھ کر سجدہ سہو ہو گا یا بغیر پڑھے، کیونکہ تشہد تو پہلے پڑھ چکے؟ (سائل: سمیع اللہ نجم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

پوچھی گئی صورت میں جب اگلی رکعت کے سجدہ کرنے سے قبل نمازی کو یاد آ جائے تو نمازی کو چاہیے فوراً لوٹ آئے اور بیٹھ کر ساتھ ہی سجدہ سہو کر کے اپنی نماز مکمل کر لے، دوبارہ تشہد پڑھ کر سجدہ سہو کرنے کی حاجت نہیں۔

کنز الدقائق مع بحر الرائق میں ہے: **(وإن قعد في الرابعة ثم قام عاد وسلم) لأن التسليم في حالة القيام غير مشروع وأمكنه الإقامة على وجهه بالقعود لأن ما دون الركعة بمحل الرفض ثم إذا عاد لا يعيد التشهد** یعنی اگر چوتھی رکعت میں قعدہ کر لیا پھر کھڑا ہو گیا تو لوٹے اور سلام پھیر دے کیونکہ حالت قیام میں سلام پھیرنا مشروع نہیں اور بیٹھ کر سلام پھیرنا ممکن بھی ہے، نیز ایک رکعت سے کم کو توڑنے کی گنجائش بھی ہے، پھر جب وہ لوٹے گا تو دوبارہ تشہد نہیں پڑھے گا۔

[ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، ۱۱۳/۲]

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ سے سوال ہوا کہ نمازی کو قعدہ اخیرہ کے بعد گمان ہوا کہ یہ قعدہ اولی تھا کھڑا ہو گیا اور قبل سجدہ کے یاد آ گیا تو اب عود کر کے دوبارہ التحیات پڑھ کر سجدہ سہو میں جائے یا ویسے سجدہ کو چلا جائے؟ تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: عود کر کے بیٹھنا چاہئے اور معاً سجدہ سہو میں چلا جائے دوبارہ التحیات نہ پڑھے۔

(فتاوی رضویہ، جلد 8، صفحہ 183، رضا فاؤنڈیشن)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــــــــــہ

ابو الحسن محمد حق نواز مدنی

11 جمادی الثانی 1445ء 25 دسمبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

خنزیر کی کھال والی جیکٹ پہننا، اس میں نماز پڑھنا

سوال: مفتی صاحب، سوئر یعنی خنزیر کی کھال والی جیکٹ پہنا جائز ہے یا نہیں؟ (سائل: ارسلان خان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

خنزیر کی کھال سے بنی جیکٹ، واسکٹ پہننا جائز نہیں، اور اسے پہن کر نماز پڑھنا بھی جائز نہیں، یونہی ایسی جیکٹ خریدنا بھی جائز نہیں، کیونکہ خنزیر اپنے تمام اجزء کے ساتھ نجس العین ہے، اس کو یا اسکے کسی جزء کو پاک نہیں کیا جا سکتا۔

ہدایہ شریف میں ہے: **وكل إهاب دبغ فقد طهر وجازت الصلاة فيه والوضوء منه إلا جلد الخنزير....لأنه نجس العين إذ الهاء في قوله تعالى: {فإنه رجس} منصرف إليه لقربه** یعنی خنزیر کے علاوہ ہر کھال دباغت کرنے سے پاک ہو جاتی ہے اور اُس میں نماز پڑھنا اور اُس سے وضو کرنا جائز ہے..... کیونکہ خنزیر نجس العین ہے، کہ اللہ تعالی کے فرمان فانہ رجس میں ہ ضمیر اُسی کی طرف لوٹ رہی ہے، اسکے قرب کے سبب۔

[المرغینانی، الھدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی، کتاب الطھارات، ۱/۲۳]

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے: **ولا يجوز بيع جلد الخنزير ولو كان مدبوغا؛ لأنه لا يطهر بالدباغ** یعنی خنزیر کی کھال کی بیع جائز نہیں اگرچہ دباغت شدہ ہو، کیونکہ اسکی کھال دباغت سے بھی پاک نہیں ہو سکتی۔

[الحدادی، الجوھرۃ النیرۃ علی مختصر القدوری، کتاب البیوع، ۱/۲۲۰]

والله اعلم عزوجل و رسوله اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

05 جمادی الثانی 1445ء 19 دسمبر 2023ھ

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور دوران نماز، نزلہ زکام پانی کی طرح بہنا شروع ہو گیا، نمازی نے بائیں طرف والی جیب سے رومال نکالا، اور دائیں ہاتھ میں پکڑ کے زکام صاف کیا، تو اس صورت میں نماز کا کیا حکم ہو گا؟ (سائل: خرم زاہد عطاری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

سوال میں بیان کی گئی صورت عملِ کثیر کی ہے، اور اس سے نماز ٹوٹ جائے گی، البتہ ایسی صورت میں اگر عملِ قلیل کے ساتھ مثلاً چادر وغیرہ یا ہاتھ سے یا جیب سے ایک ہاتھ کے ذریعے رومال نکال کر اسی ہاتھ سے صاف کرنے میں حرج نہیں، بلکہ مسجد میں ہوں تو صاف کرنا لازمی ہے، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے: العمل الكثير يفسد الصلاة والقليل لا. كذا في محيط السرخسي...لو نظر إليه ناظر من بعيد إن كان لا يشك أنه في غير الصلاة فهو كثير مفسد وإن شك فليس بمفسد وهذا هو الأصح. هكذا في التبيين وهو أحسن. كذا في محيط السرخسي وهو اختيار العامة كذا في فتاوى قاضي خان والخلاصة یعنی عمل کثیر نماز کو فاسد کرتا ہے، عمل قلیل نہیں کرتا.... دیکھنے والا اگر (عمل کرنے والے) نمازی کی طرف دور سے دیکھے تو اگر اُسے نمازی کے (فعل کے سبب) نماز سے باہر ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو تو یہ عمل کثیر ہے، اور اگر شک ہو تو یہ عمل قلیل ہے، عمل کثیر و قلیل کہ یہی تعریف زیادہ صحیح ہے۔ [الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع، الفصل الأول فيما يفسدها]

فتاوی ہندیہ میں ہے: ظهر من أنفه ذنين في الصلاة فمسحه أولى من أن يقطر منه على الأرض. یعنی نماز میں ناک بہنے لگے تو اُسے پونچھ لینا زمین پر گرنے دینے سے بہتر ہے۔ [مجموعة من المؤلفين، الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

07 جمادی الاول 1445ء 22 نومبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نمازی کے آگے سے گُزرنا

سوال: مفتی صاحب، مکہ و مدینہ میں لوگ نمازی کے سامنے سے گزرتے ہیں، کیا وہاں نمازی کے سامنے سے گزرنے کی کوئی جائز صورت ہے؟ (سائل: محمد رضا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نمازی کے سامنے سجدے والی جگہ سے گزرنا جائز نہیں، ہاں دو صفیں چھوڑ کر آگے سے گزر سکتے ہیں۔ اسی طرح طواف کرنے والوں کو بھی بغیر سُترہ نمازی کے سامنے سے گزرنا جائز ہے۔ البحر الرائق، درر الحکام اور دیگر متعدد کُتب فقہ میں ہے:

وحاصل المذهب الصحيح أن الموضع الذي يكره المرور فيه هو أمام المصلي في مسجد صغير وموضع سجوده في مسجد كبير أو الصحراء

یعنی حاصل مذہب یہی ہے کہ وہ جگہ جہاں سے گُزرنا مکروہ ہے وہ مسجد صغیر میں نماز کے سامنے ہے (یعنی مطلقا دیوار قبلہ تک گزرنا مکروہ ہے) اور میدان و مسجد کبیر میں فقط سجدے والی جگہ ہے۔ [درر الحكام شرح غرر الأحكام، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ١/١٠٦]

فتاویٰ شامی میں ہے: **لا يمنع المار داخل الكعبة وخلف المقام وحاشية المطاف، لما روى أحمد وأبو داود عن المطلب بن أبي وداعة أنه رأى النبي صلى الله عليه وسلم يصلي مما يلي باب بني سهم والناس يمرون بين يديه وليس بينهما سترة** یعنی کعبہ شریف میں، مقام ابراہیم کے پیچھے اور طواف کے چکر لگانے والی جگہ پر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو منع نہیں کیا جائے گا، کیونکہ امام احمد و ابو داؤد نے المطلب بن ابی وداعہ سے روایت کیا کہ اُنہوں نے نبی پاک علیہ السلام کو باب بنی سہم سے متصل دروازے پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، لوگ آپ کے سامنے سے گزر رہے تھے، اور درمیان میں کوئی سُترہ نہ تھا۔ [الدر المختار وحاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، ١/٦٣٦]

بہار شریعت میں ہے: مسجد الحرام شریف میں نماز پڑھتا ہو تو اُس کے آگے طواف کرتے ہوئے لوگ گزر سکتے ہیں۔

(بہار شریعت، نماز کے مفسدات، جلد 1، حصہ 3، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

08 جمادی الثانی 1445ھ 22 دسمبر 2023ء

الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، کسی نے وطنِ اقامت سے 92 کلو میٹر سے زیادہ کا سفر کیا، درمیان میں وطنِ اصلی بھی آتا ہے، کیا وہ مسافر ہوں گا؟ (سائل: مولانا دانیال مدنی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

آدمی کا وطن اصلی آنے سے اُسکا سفر ختم ہو جاتا ہے چاہے وہ وہاں رہنے کے لیے آئے یا کسی کام سے آئے یا محض وہاں سے اسکا گزر ہو، لہذا صورت مسؤلہ میں مذکورہ شخص اپنے وطن اصلی داخل ہوتے ہی مقیم ہو جائے گا، اب اگر مزید آگے شرعی مسافت یعنی تقریبا بانوے کلو میٹر سے زائد سفر بنتا ہے تو وہ مسافر ہو گا ورنہ نہیں۔

ہدایہ شریف میں ہے : وإذا دخل المسافر في مصره أتم الصلاة وإن لم ينو المقام فيه لأنه عليه الصلاة والسلام وأصحابه رضوان الله عليهم كانوا يسافرون ويعودون إلى أوطانهم مقيمين من غير عزم جديد یعنی مسافر جب اپنے علاقے میں داخل ہو گا تو مکمل نماز پڑھے اگرچہ وہاں ٹھہرنے کی نیت نہ کرے، حضور علیہ الصلاۃ والسلام اور صحابہ کرام سفر سے واپس اپنے وطن بغیر نئی نیت مقیم لوٹتے۔

[المَرْغِینانی، الهداية في شرح بداية المبتدی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، ۸۱/۱]

درر الحکام میں ہے : لو قدم المسافر إليه يصير مقيما بمجرد الدخول. یعنی اگر کسی مسافر نے وطن اصلی میں قدم رکھا تو محض دخول سے ہی مقیم ہو جائے گا۔ [منلا خسرو، درر الحكام شرح غرر الأحكام، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، ۱۳۵/۱]

فتاوی اہلسنت میں ہے : (وطن اصلی میں) داخل ہونا چاہے کسی حاجت کے لئے ہو یا صرف عبور (گزرنے) کرنے کے لئے بہر حال آدمی مقیم ہو جاتا ہے۔ (فتاوی اہلسنت دعوت اسلامی غیر مطبوعہ، فتوی نمبر: Har:1943، تاریخ اجراء: 20 محرم الحرام 1438ھ / 22 اکتوبر 2016ء)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

11 جمادی الاول 1445ء 26 نومبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

شرعی مسافت پر واقع سسرال میں نماز پوری یا قصر؟

سوال: مفتی صاحب، مرد کی اپنے سسرال میں نماز قصر ہوگی یا مکمل جبکہ فاصلہ 92 کلومیٹر سے زیادہ ہو؟ (سائل: مولانا دانیال مدنی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

1 شادی کے بعد اگر بیوی رُخصت ہو کر مستقل طور پر شوہر کے پاس آجائے تو اس صورت میں سسرال شوہر کے لیے وطن اصلی نہیں ہوتا ،لہذا اس صورت میں اگر شوہر کا سسرال، اُسکے وطن سے شرعی مسافت یعنی بانوے کلو میٹر پر واقع ہے تو وہ سسرال میں قصر نماز پڑھے گا جبکہ وہ وہاں پندرہ دن سے کم کے لیے جائے۔

2 اور اگر بیوی مستقل طور پر رُخصت ہو کر شوہر کے پاس نہ آئے بلکہ وہیں میکے ہی رہے جس سے سمجھا جائے کہ شوہر کے اہل خانہ یہاں ہیں، تو اب سسرال شوہر کے لیے وطن اصلی ہو گا، جب بھی وہاں جائے گا پوری نماز پڑھے گا، چاہے پندرہ دن سے کم ایک دو دن کے لیے جائے۔

سمجھنے کے لیے بطور مثال مختصر و آسان دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ شریف میں قصر یعنی سفر والی نماز ادا فرمائی جیسا کہ روایات میں موجود ہے حالانکہ مکہ شریف حضور علیہ السلام کا سسرال تھا، کہ آپ علیہ السلام نے یہاں سے شادی کی تھی، لیکن چونکہ آپ علیہ السلام بمع اہل وعیال یہاں سے ہجرت فرماچکے تھے، لہذا سسرال کے باوجود یہاں مُسافر تھے۔

جبکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ مکہ سے ہجرت کے باوجود جب بھی یہاں تشریف لاتے پوری نماز پڑھتے، کیونکہ آپ کی ایک بیوی مکہ شریف میں بھی رہتی تھیں۔

سسرال کے وطن اصلی ہونے کے متعلق فتاوی اہلسنت میں ہے : تفصیل سے اس بات کو ثابت کر دیا گیا ہے کہ بیوی کی وہاں مستقل سکونت ہونا ضروری ہے، تب ہی وہ جگہ شوہر کے لئے وطن اصلی ہو گی۔ (فتاوی اہلسنت دعوت اسلامی، فتوی نمبر: Har-4203 تاریخ اجراء : 26 ستمبر 2020ء)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کـتبـــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

13 جمادی الاول 1445ء 28 نومبر 2023ھ

وتر کی قضاء میں ہاتھ اُٹھانا

سوال: مفتی صاحب، وتر کی قضاء اگر مسجد میں کرنی ہو تو کیا رفع یدین کریں گے، میں نے ایک علامہ صاحب سے سنا ہے کہ نہیں کریں گے، کیا یہ درست ہے؟ (سائل: عمیر راجپوت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

بلا عذر شرعی وتر کی نماز وقت پر نہ پڑھنا ناجائز ہے، اور جان بوجھ کر ایسا کرنے والا گنہگار ہو گا، البتہ اگر کسی کے وتر قضاء ہو جائیں تو اب کسی کے سامنے ان کی قضاء کرتے ہوئے دعائے قنوت کے لیے ہاتھ نہ اُٹھانا بہتر ہے کیونکہ اس سے لوگ اسکی غفلت پر مطلع ہو جائیں گے جبکہ شریعت میں ہمیں بغیر کسی مجبوری کے اپنے گناہوں کو ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

وتر کی قضا کے متعلق ردالمختار میں ہے: أما في القضاء عند الناس فلا يرفع حتى لا يطلع أحد على تقصيره. یعنی جب وتر کی قضاء لوگوں کے سامنے کرے تو اپنے ہاتھ نہ اُٹھائے تاکہ لوگ اسکی کوتاہی پر مطلع نہ ہوں۔

[الدر المختار وحاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، ۲/۶]

بہار شریعت میں وتر کی قضاء کے متعلق ہے: جب قضا پڑھے، تو اس میں قنوت بھی پڑھے۔ البتہ قضا میں تکبیر قنوت کے لیے ہاتھ نہ اٹھائے جب کہ لوگوں کے سامنے پڑھتا ہو کہ لوگ اس کی تقصیر پر مطلع ہوں گے۔

(بہار شریعت، وتر کا بیان، جلد 1، حصہ 4، مکتبۃ المدینہ)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

28 جمادی الاول 1445ھ 13 دسمبر 2023ء

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

ٹانگ سے معذور شخص کی امامت کا حکم

سوال: مفتی صاحب، ایک قاری صاحب ایک ٹانگ سے معذور ہیں لیکن نماز صحیح پڑھ لیتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ جب وہ بیٹھتے ہیں تو سیدھا پاؤں قبلہ کی طرف بچھا دیتے ہیں، کیا وہ تراویح کی امامت کرا سکتے ہیں؟ (سائل: قاری محمد ناصر حسین)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

مذکورہ قاری صاحب اگر امامت کے اہل ہیں یعنی مسلمان، عاقل، بالغ، صحیح القراۃ ہو، سنی صحیح العقیدہ ہوں، شرعی معذور اور فاسقِ معلن نہ ہوں، تو ان کی امامت میں کوئی حرج نہیں، جبکہ وہ وضو و غسل وغیرہ صحیح کر لیتے ہوں، محض ٹانگ سے معذور ہونے پر امامت ناجائز نہیں ہو سکتی، کیونکہ امامت کی صحت کا مدار مذکورہ شرائط پر ہے، نہ کہ ٹانگ سلامت ہونے پر، نیز امامت کی شرائط میں مذکور شرعی معذور نہ ہونے والی شرط سے مُراد وہ عذر ہے جسکے سبب وضو نہ رہتا ہو۔

نورالایضاح میں ہے: **شروط صحة الامامة للرجال الاصحاء ستة اشياء الاسلام والبلوغ والعقل والذكورة والقراءة والسلامة من الاعذار** یعنی تندرست مردوں کی امامت کے صحیح ہونے کی چھ شرطیں ہیں: اسلام، بلوغ، عقل، مرد ہونا، قراءت کا صحیح ہونا اور اعذار سے سلامت ہونا۔ [نور الایضاح، کتاب الصلاۃ، فصل فی الامامۃ]

فتاوی فقیہ ملت میں ہے: جس شخص کا داہنا ہاتھ کہنی سے کٹا ہوا ہے، اگر وہ وضو غسل وغیرہ صحیح کر لیتا ہے اور اس میں کوئی شرعی خرابی نہیں ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ (فتاوی فقیہ ملت، جلد 1، صفحہ 115، شبیر برادرز)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

08 جمادی الثانی 1445ھ 22 دسمبر 2023ء

بیماری کے سبب بیٹھ کر جماعت کرانے والے کی جماعت کا حکم

سوال: مفتی صاحب، ہمارے امام صاحب کے پیٹ کے مختلف تین آپریشن ہوئے ہیں جس کی وجہ سے اب امام صاحب کو رکوع و سجود میں آزمائش کا سامنا ہے یعنی رکوع و سجود نہیں کر سکتے ایسی صورت میں کیا امام صاحب کرسی پر بیٹھ کر جماعت کرا سکتے ہیں؟ (سائل: ارسلان منیر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جو امام رکوع و سجود ادا نہ کر سکے اور رکوع و سجود اشارے سے ادا کرتا ہو، اسکے پیچھے تندرست کی نماز جائز نہیں، لہذا پوچھی گئی صورت میں جب تک امام صاحب ٹھیک نہیں ہوتے کوئی اور قابل امامت شخص جماعت کرائے، چنانچہ درمختار میں ہے: (وصح اقتداء متوضئ بمتیمم وغاسل بماسح وقائم بقاعد) یرکع ویسجد یعنی وضو کرنے والے کا تیمم کرنے والے اور اعضاء دھونے والے کا اعضاء پر مسح کرنے والے اور کھڑے ہونے والے کا رکوع و سجود کے ساتھ بیٹھنے والے امام کی اقتدا کرنا دُرست ہے۔

اسکے تحت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: وقید القاعد بکونہ یرکع ویسجد لأنہ لو کان مومیا لم یجز اتفاقا یعنی بیٹھنے والے کے ساتھ رکوع و سجود کی قید لگائی کیونکہ اگر بیٹھنے والا امام اشارے سے رکوع و سجود کرنے والا ہو تو بالاتفاق اُسکے پیچھے نماز جائز نہیں۔ [الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار)، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ، ۱/۵۸۸]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

21 ربیع الثانی 1445ھ 06 نومبر 2023ء

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

امام کا تشہد پڑھ کر مقتدیوں کے انتظار میں خاموش بیٹھنا

سوال: مفتی صاحب، کیا امام قعدہ اولی میں تشہد پڑھ کر کچھ دیر خاموش بیٹھ سکتا ہے، تاکہ مقتدی تشہد سے فارغ ہو جائیں پھر اگلی رکعت کے لیے کھڑے ہوں؟ (سائل: سید بادشاہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

تشہد پڑھ کر امام صاحب کا جان بوجھ کر مقتدیوں کے انتظار میں خاموش بیٹھنا جائز نہیں، اگر تین بار سبحن اللہ کی مقدار خاموش بیٹھے رہے تو نماز دوبارہ پڑھنا لازم ہو گی۔ نورالایضاح مع مراقی الفلاح میں ہے: ویجب القیام إلی الرکعة الثالثة من غیر تراخ بعد قراءة التشھد یعنی تشہد پڑھنے کے بعد بغیر کسی تاخیر کے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہونا واجب ہے۔

[الشرنبلالی، مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، فصل فی واجبات الصلاۃ، صفحة ۹۵]

المحیط البرہانی میں ہے: وکان الشیخ الإمام ظھرالدین المرغینانی رحمة اللہ علیہ یقول: لا یجب سجود السھو بقوله: اللھم صل علی محمد ونحوہ إنما المعتبر مقدار ما یؤدی فیه رکنا. یعنی شیخ امام ظہیر الدین مرغینانی علیہ الرحمۃ فرماتے تھے سجدہ سہو اللھم صل علی محمد اور اسکی مثل سے واجب نہیں ہوتا بلکہ اصل اعتبار اتنی مقدار (تاخیر) کا ہے جتنی میں ایک رُکن (یعنی تین بار سبحن اللہ) ادا ہو جائے۔

[المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی، کتاب الصلاۃ، الباب السابع عشر، فی سجود السھو، ۱/۵۰۵]

البحر الرائق و عالمگیری میں ہے: لا یجب السجود فی العمد وإنما تجب الإعادة إذا ترك واجبا عمدا جبرا لنقصانه یعنی عمداً (ترک واجب سے) سجدہ سہو واجب نہیں بلکہ اس کے نقصان کو پورا کرنے کے لئے نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

[البحر الرائق شرح کنزالدقائق، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، ۲/۹۸]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

11 جمادی الاول 1445ء 26 نومبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

مقتدیوں کا دوسری منزل یا مسجد کی چھت پر ہونا

سوال: مفتی صاحب، شہروں میں بہت جگہ مساجد 2 یا 3 منزلہ بنائی جاتی ہیں، جب نمازیوں کے تعداد زیادہ ہو تو لوگ اوپر والی منزل پر نماز پڑھتے ہیں، اس صورت میں امام نیچے کھڑا ہوتا ہے اور لوگ دوسری اور تیسری منزل پر امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں، کیا اس طرح اقتداء درست ہے اور ان نمازیوں کی نماز ہو جاتی ہے؟ (سائل: سراج محمد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

دوسری، تیسری منزل یا مسجد کی چھت پر موجود لوگوں کا، مسجد میں نماز پڑھانے والے امام کی اقتداء کرنا درست ہے بشرطیکہ وہ نمازی امام سے آگے نہ ہوں اور اُن پر امام کی حالت مشتبہ نہ ہو مثلاً اُن کو امام کی آواز آ رہی ہو جس سے امام کے انتقالات کا علم ہو جائے، البتہ مسجد کے ہال یا صحن میں جگہ ہوتے ہوئے اُوپر اقتداء کرنا مکروہ ہے۔

امام فخر الدین زیلعی فرماتے ہیں: **یصح اقتداء من بسطح المسجد بمن فیه إذا لم یتقدم علی الإمام** یعنی مسجد کی چھت پر موجود شخص کا مسجد میں موجود شخص کی اقتداء کرنا دُرست ہے، جبکہ مقتدی امام سے آگے نہ ہو۔

[تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ، ۱/۱۶۸]

فتاوی ہندیہ میں ہے: **ولو قام علی سطح المسجد واقتدی بإمام فی المسجد إن کان للسطح باب فی المسجد ولا یشتبه علیه حال الإمام یصح الاقتداء وإن اشتبه علیه حال الإمام لا یصح. کذا فی فتاوی قاضی خان وإن لم یکن له باب فی المسجد لکن لا یشتبه علیه حال الإمام صح الاقتداء أیضا** یعنی اگر نمازی مسجد کی چھت پر کھڑا ہو اور مسجد میں موجود امام کی اقتداء کرے، تو اگر چھت کے لیے مسجد سے دروازہ ہو اور مقتدی پر امام کی حالت مشتبہ نہ ہو تو اقتداء صحیح ہے، اور اگر امام کی حالت مشتبہ ہو تو اقتداء درست نہیں، ایسا ہی فتاوی قاضی خان میں ہے، اور اگر مسجد میں چھت کے لیے دروازہ نہ ہو لیکن مقتدی پر امام کی حالت مشتبہ نہ ہو تو اب بھی اقتداء کرنا دُرست ہے۔ [الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاۃ، باب الخامس فی الإمامة، الفصل الرابع]

بہار شریعت میں ہے: صحن مسجد میں جگہ ہوتے ہوئے بالاخانہ پر اقتدا کرنا مکروہ ہے، یوہیں صف میں جگہ ہوتے ہوئے صف کے پیچھے کھڑا ہونا ممنوع ہے۔ (بہار شریعت، جماعت کے مسائل، جلد 1، حصہ 3، مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو الحسن محمد حق نواز مدنی

11 جمادی الثانی 1445ء 25 دسمبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

تنہا نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنا

سوال: مفتی صاحب، ایک شخص تنہا نماز پڑھ رہا تھا، آخری رکعت میں تھا کہ دوسرا شخص آیا اور اس شخص کو امام بنا کر اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا شروع ہو گیا، کیا یہ اقتداء کرنا درست ہے، حالانکہ امام نے امامت و جماعت کی نیت ہی نہیں کی؟

(سائل: محمد بلال غورری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

پوچھی گئی صورت میں مذکورہ شخص کا تنہا نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنا دُرست ہے، اگرچہ امام نے امامت کی نیت نہ کی ہو بلکہ اگر تنہا پڑھنے والے نے ابتداء امامت نہ کرنے کی نیت کی ہو پھر بھی بعد میں آنے والے مذکورہ شخص کی نماز دُرست ہے، کیونکہ جماعت میں شامل ہونے کے لیے مقتدیوں کو اقتداء کی نیت کرنا شرط ہے، امام کے لیے نہیں۔ البتہ یہ یاد رہے کہ یہ جواز اُسی صورت میں ہے جب مقتدی و امام کی نماز ایک ہی ہو یا مقتدی کی نماز نفل ہو ورنہ نہیں۔

در مختار میں ہے: والإمام ينوی صلاته فقط) و (لا) يشترط لصحة الاقتداء نية (إمامة المقتدی) یعنی امام فقط اپنی نماز کی نیت کرے گا، امام کا مقتدی کی امامت کی نیت کرنا، اقتداء دُرست ہونے کے لیے شرط نہیں۔

[الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار)، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ۱/۴۲۴]

تبیین الحقائق مع حاشیہ میں ہے: قال في الفتح قبيل باب الحدث لو شرع ناويا أن لا يؤم أحدا فاقتدى به رجل صح اقتداؤه. یعنی اگر امام نے کسی کی امامت نہ کرنے کی نیت کرتے ہوئے نماز شروع کی، پھر کسی شخص نے اُس کی اقتدء کر لی تو اُسکا اقتداء کرنا صحیح ہے۔

[تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشلبي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

04 جمادی الثانی 1445ھ 18 دسمبر 2023ء

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

بقیہ نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنا

سوال: مفتی صاحب، ایک شخص تنہا نماز پڑھ رہا تھا، آخری رکعت میں تھا کہ دوسرا شخص آیا اور اس شخص کو امام بنا کر اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا شروع ہو گیا، جب امام نے سلام پھیرا تو دوسرا اپنی بقیہ پڑھنے کے لیے کھڑا ہو گیا، اتنے میں تیسرا شخص آیا اور اس نے اس دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنا شروع کر دی، اب دوسرے اور تیسرے کی نماز کا کیا حکم ہے کیا انکی نماز ہو گئی؟ (سائل: محمد بلال غورری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

منفرد یعنی جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو اسکی اقتداء کرنا تو درست ہے بشرطیکہ مقتدی و امام کی نماز ایک ہی ہو یا مقتدی کی نفل ہو، لیکن ایسا شخص جو مسبوق ہے یعنی امام کے سلام کے بعد اپنی بقیہ نماز پڑھ رہا ہے اسکی اقتداء کرنا جائز نہیں، لہذا پوچھی گئی صورت میں دوسرے شخص کی نماز تو درست ہے جبکہ تیسرے کی نماز درست نہیں، چنانچہ البحر الرائق و فتاوی ہندیہ مسبوق کے احکام میں ہے: **لا يجوز اقتداؤه ولا الاقتداء به فلو اقتدى مسبوق بمسبوق فسدت صلاة المقتدي قرأ أو لم يقرأ دون الإمام** یعنی مسبوق کا بقیہ نماز میں کسی کی اقتداء کرنا یا کسی دوسرے کا اُسکی اقتداء کرنا جائز نہیں، پس کسی مسبوق نے مسبوق کی اقتداء کی تو مقتدی کی نماز فاسد ہے، وہ قراءت کرے یا نہ کرے، نہ کہ امام کی، یعنی امام کی فاسد نہیں۔

[الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السابع، ۹۲/۱]
[ابن نجيم، البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، ۴۰۱/۱]

بہار شریعت میں ہے: چار باتوں میں مسبوق مقتدی کے حکم میں ہے، (اُن میں سے پہلی بات) اس کی اقتدا نہیں کی جا سکتی۔

(بہار شریعت، جماعت کا بیان، جلد 1، حصہ 3، مکتبۃ المدینہ)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

05 جمادی الثانی 1445ء 19 دسمبر 2023ھ

وعلی آلک واصحابک یا حبیب اللہ

آن لائن
الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی

کیا مقتدی بھی امام کے ساتھ تکبیریں کہے گا؟

سوال: مفتی صاحب، جماعت کے دوران مقتدی بھی امام کے ساتھ تکبیرات بول سکتا ہے یا خاموشی بہتر ہے؟

(سائل: سعد علی خان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

مقتدی کو جماعت کے دوران امام کے پیچھے صرف فاتحہ وسورت کی قراءت منع ہے، تکبیرات انتقال منع نہیں بلکہ یہ تکبیریں کہنا امام کے ساتھ ساتھ مقتدی کے لیے بھی سنت ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ امام کے لیے اُونچی آواز میں اور مقتدی کے لیے آہستہ آواز میں سنت ہیں، نیز یہ بھی یاد رہے کہ امام کی طرح مقتدی کے لیے بھی تکبیر تحریمہ و نماز جنازہ کی چاروں تکبیریں فرض ہیں اور نماز عید کی 6 زائد تکبیریں واجب ہیں۔

تنویر الابصار مع در مختار میں نماز کی سنتوں کے متعلق ہے :(وجهر الإمام بالتكبير) بقدر حاجته للإعلام بالدخول والانتقال. وكذا بالتسميع والسلام. وأما المؤتم والمنفرد فيسمع نفسه یعنی نماز میں داخل ہونے اور ایک رُکن سے دوسرے رُکن کی طرف منتقل ہونے کی خبر کرنے کے لیے امام کو بقدر حاجت اُونچی آواز سے تکبیر کہنا سُنت ہے، ایسے ہی تسمیع و سلام بھی، البتہ مقتدی اور منفرد اتنی آواز سے کہے گا کہ خُود سُن لیں۔

[الدر المختار وحاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ۴۷۵/۱]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

27 جمادی الاول 1445ء 12 دسمبر 2023ھ

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

آن لائن
الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی

پہلی رکعت کے بعد بیٹھ جانے پر سجدہ سہو ولقمہ

سوال: مفتی صاحب، امام پہلی رکعت کے بعد کھڑا ہونے کی بجائے بیٹھ گیا فوراً مقتدی نے لقمہ دیا، امام کو ظن غالب ہے کہ وہ تین بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار سے پہلے کھڑا ہو گیا، امام نے آخر میں سجدہ سہو نہیں کیا۔ نماز کا کیا حکم ہے؟ (سائل: محمد حنیف عطاری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر واقعی امام تین مرتبہ سبحان اللہ کی مقدار سے پہلے کھڑا ہو گیا تو نماز ہو جائے گی اور یہاں لقمہ دینا بھی جائز ہے، آخر میں سجدہ سہو کی بھی حاجت نہیں کیونکہ اس مقام پر ایک رکن کی مقدار یعنی تین بار سبحان اللہ کے برابر تاخیر ہو جائے تو ترک واجب کا حکم ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ واجبات نماز کے متعلق فرماتے ہیں: وکذا القعدة فی آخر الرکعة الأولی أو الثالثة فیجب ترکھا، ویلزم من فعلھا أیضا تأخیر القیام إلی الثانیة أو الرابعة عن محلہ، وھذا إذا کانت القعدة طویلة یعنی ایسے ہی پہلی یا تیسری رکعت کے آخر بیٹھنے کا ترک بھی واجبات نماز سے ہے، پس اس قعدے کو ترک کرنا واجب ہے، اور اس بیٹھنے سے دوسری یا چوتھی رکعت کے قیام کی اپنے محل سے تاخیر بھی لازم آتی ہے، اور یہ تاخیر تب ہے جب قعدہ طویل ہو۔

[الدر المختار وحاشیة ابن عابدین، کتاب الصلاة، واجبات الصلاة، ۱/۴۶۹]

کتاب احکامِ لقمہ میں پہلی اور تیسری رکعت کے بعد بھولے سے بیٹھنے کی صورت کے متعلق ہے: امام کو بیٹھے اگر تین مرتبہ سبحان اللہ کی مقدار نہیں ہوئی تو اسے لقمہ دے سکتے ہیں.... اگر تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار بیٹھ چکا تو اب اس پر سجدہ سہو واجب ہو جائے گا، اب لقمہ نہیں دے سکتے کیونکہ جب سجدہ سہو واجب ہو گیا تو اب لقمہ دینے کا محل نہ رہا۔

(احکام لقمہ، 52-53، مکتبہ بہار شریعت)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

26 جمادی الاول 1445ء 11 دسمبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

رکوع کی تکبیر آہستہ کہنے پر امام کو لقمہ دینا

سوال: مفتی صاحب، امام بلند آواز سے تکبیر کہے بغیر رکوع میں چلا گیا، مقتدیوں نے تکبیر کا لقمہ دیا تو امام نے رکوع میں ہی دوبارہ اونچی تکبیر کہی، پھر مقتدی رکوع میں چلے گئے، کیا اسطرح نماز ہو جائے گی؟ (سائل: اسماعیل شاہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

پوچھی گئی صورت میں امام صاحب اور مقتدیوں کی نماز فاسد ہو گئی، کیونکہ نماز میں ضرور تاً صرف اصلاحِ نماز (مثلاً نماز کو فاسد ہونے یا واجب الاعادہ ہونے سے بچانے) کے لیے لقمہ دینے کی اجازت ہے، اس کے علاوہ بے محل و بے فائدہ لقمہ دینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ جبکہ پوچھی گئی صورت میں امام صاحب سے کوئی ایسی غلطی نہیں ہوئی جس سے نماز فاسد یا واجب الِاعادہ ہوتی، بلکہ بلند آواز سے تکبیر کہنے کی سنت ترک ہوئی، مقتدیوں پر لازم تھا کہ لقمہ دینے کی بجائے، وہ بھی رکوع میں چلے جاتے، لہذا لقمہ بے محل ہوا، جس سے لقمہ دینے والوں کی نماز ٹوٹ گئی اور پھر غلط لقمہ قبول کرنے سے امام اور دیگر سب کی نماز بھی ٹوٹ گئی۔

غلط لقمہ دینے کے حوالے سے فتاوی ہندیہ میں ہے: **وتفسد صلاته بالفتح مرة ولا يشترط فيه التكرار وهو الأصح. هكذا في فتاوى قاضي خان** یعنی بے محل ایک مرتبہ ہی لقمہ دینے سے نماز فاسد ہو جائے گی اس میں تکرار شرط نہیں اور یہی اصح قول ہے۔ [الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، باب السابع فيما يفسد الصلاة، الفصل الأول ۱/۹۹]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

05 ربیع الثانی 1445ء 21 اکتوبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

جمعہ میں ایک خطبہ پڑھنا

سوال: مفتی صاحب، کیا جمعہ میں ایک ہی خطبہ دے سکتے ہیں؟ (سائل: حافظ اظہر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوہاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

جمعہ میں خطبہ دینا شرط ہے، ایک خطبے سے بھی یہ شرط ادا ہو جائے گی، لیکن دو خطبے دینا سنت مبارکہ ہے، اسکا ترک خلاف سنت و مکروہ ہے، لہذا دو خطبوں کا ہی اہتمام کرنا چاہیے، چنانچہ صحیح مسلم شریف جمعہ کے بیان میں جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: «كانت للنبي صلى الله عليه وسلم خطبتان يجلس بينهما يقرأ القرآن، ويذكر الناس» یعنی نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام دو خطبے دیتے، دونوں کے درمیان بیٹھتے، خطبوں میں قرآن پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت فرماتے۔

[صحیح مسلم، كتاب الجمعة، باب ذكر الخطبتين قبل الصلاة، ۵۸۹/۲]

کنز الدقائق مع البحر الرائق میں ہے: (وسن خطبتان بجلسة بينهما وطهارة قائما) كما روى عن أبي حنيفة یعنی پاکی کی حالت میں کھڑے ہو کر دو خطبے دینا سنت ہے، دونوں کی درمیان جلسہ ہو، جیسا کہ امام اعظم سے روایت ہے۔

[البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ۱۵۹/۲]

در مختار مع رد المحتار میں ہے: ويسن خطبتان بجلسة بينهما....أن الخطبة شرط لأن المسنون هو تكرارها مرتين، والشرط إحداهما یعنی جمعہ میں دو خطبے درمیان میں جلسہ کے ساتھ سنت ہیں..... خطبہ دینا جمعہ کے لیے شرط ہے، اور اسکا دو مرتبہ تکرار سنت ہے، اور ایک مرتبہ شرط ہے۔ [الدر المختار وحاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ۱۴۸/۲]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

05 جمادی الثانی 1445ء 19 دسمبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

آن لائن
الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی

نماز جنازہ نکل جانے کا خوف ہو تو وضو کی جگہ تیمم کرنا

سوال: مفتی صاحب، بندہ نماز جنازہ کے دوران لیٹ پہنچے، اور وضو کی جگہ بھی نہ مل رہی ہو، وقت بھی مختصر ہو، نماز جنازہ نکل جانے کا ڈر ہو، تو کیا وضو کی جگہ تیمم کرکے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ (سائل: انجینئر محمد حسن منیر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

1 مذکورہ صورت میں غیر ولی کو نماز جنازہ کے لیے تیمم کرنے کی اجازت ہے، یونہی جب جنازہ ولی کی اجازت سے پڑھایا جا رہا ہو تب ولی کو بھی تیمم کرنے کی اجازت ہے۔

2 اور ایسا ولی جس کو جنازہ پڑھانے کا حق ہے اور جنازہ اُسکی اجازت کے بغیر پڑھایا جا رہا ہو تو اُسے تیمم کی اجازت نہیں، کیونکہ وہ دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔

المحیط البرہانی میں ہے: **غير الولي يتيمم لصلاة الجنازة إذا خاف الفوت لها لأنها لا تعاد، والولي لا يتيمم لصلاة الجنازة لأنه لا يخاف الفوت لأنه ليس لغير الولي حق الصلاة على الجنازة، ولو صلى غير الولي على الجنازة فللولي حق الإعادة.** یعنی غیر ولی نماز جنازہ کے لیے تیمم کر سکتا ہے، جب اُسے خوف ہو نماز جنازہ فوت ہونے کا، کیونکہ وہ اسکا اعادہ نہیں کر سکتا، اور ولی کو تیمم کی اجازت نہیں کہ اُسے جنازہ فوت ہونے کا خوف نہیں، کیونکہ غیر ولی کو جنازہ پڑھانے کا حق نہیں تو اگر غیر ولی نے پڑھا بھی دیا تو ولی دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔

[المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، کتاب الطہارات، فصل الخامس فی التیمم، ۱/۱۵۰]

الجوہرۃ النیرہ میں ہے: **فإن أذن الولي لغيره أن يصلي فصلى لا يجوز له الإعادة فعلى هذا يجوز له التيمم إذا أذن لغيره** یعنی اگر ولی نے غیر کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دے دی، پھر دوسرے کے نماز جنازہ پڑھائی تو اب ولی کو اعادے کی اجازت نہیں، تو اب اس صورت میں ولی کو بھی جنازہ کے لیے تیمم کرنے کی اجازت ہے (یعنی جب جنازہ نکل جانے کا خوف ہو)

[الجوہرۃ النیرۃ علی مختصر القدوری، کتاب الطہارۃ، باب التیمم، ۱/۲۴]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

15 ربیع الثانی 1445ھ 31 اکتوبر 2023ء

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

کیا حضرت حمزہ کا جنازہ ستر مرتبہ پڑھا گیا؟

سوال: مفتی صاحب، کیا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ ستر بار پڑھا گیا؟ (سائل: عامر بلال)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

نماز جنازہ کی تکرار جائز نہیں، اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر ستر مرتبہ جنازہ پڑھنے والی جو روایت بیان کی جاتی ہے، شارحین حدیث اور علمائے اُمت نے اسکے متعدد جواب دیے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نماز جنازہ کے بعد ان پر ستر مرتبہ دعا فرمائی۔

چنانچہ علامہ بدر الدین عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: **سقط بالمرة الواحدة فلم يتصور الثانی قضاء من عندنا بلا توقيف، بخلاف الدعاء فإن التوقيف فيه باق... فإن قلت: صلى النبی صلى الله عليه وسلم على حمزة رضی الله عنه سبعين مرة، وكان الفرض قد تأدى بالأولى قلت:... يجوز أن يكون المراد من قول الراوی صلى على حمزة سبعين مرة للمعنى اللغوی، وهو الدعاء، أی دعا سبعين مرة.** نماز جنازہ کا فرض کفایہ ایک مرتبہ پڑھنے سے ساقط ہو گیا اب دوسری مرتبہ جنازہ پڑھنے کی شرعا اجازت نہیں بخلاف دعا کے، کہ جنازے کے بعد دعا مانگنے کی اجازت ہے... اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ نے ستر مرتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر صلوٰۃ پڑھی حالانکہ فرض تو پہلے ادا ہو چکا، جواب یہ ہے کہ ...اس سے مراد نماز جنازہ نہیں بلکہ دعا ہے کہ آپ نے ستر مرتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ستر مرتبہ دعا فرمائی۔

[بدر الدین العینی، البنایۃ شرح الھدایۃ، باب الجنائز، فصل فی الصلاۃ علی المیت، 3/212]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

04 ربیع الثانی 1445ء 20 اکتوبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا حیلہ کرنا

سوال: ولی نمازِ جنازہ کے وقت موجود تھا، لیکن اس نے قصداً جنازہ میں شرکت نہ کی تاکہ وہ دوسرے شہر میں نمازِ جنازہ دوبارہ پڑھے تو اسکی وجہ سے دیگر بھی شرکت کرلیں، کیا اس طرح دو مرتبہ جنازہ پڑھنا درست ہے؟ (سائل: فیضان ماہی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

نمازِ جنازہ کے تکرار کی کوئی فضیلت نہیں بلکہ بلاوجہ شرعی نمازِ جنازہ کا تکرار، ناجائز و ممنوع ہے، مختصراً تفصیل یہ ہے کہ اگر میت کا سب سے قریبی ولی پہلی مرتبہ جنازے میں شریک نہ ہوا اور نہ ہی اس نے اجازت دی تو اس صورت میں صرف یہ ولی اور بقیہ افراد جو اول مرتبہ شریک نہ ہوئے تھے وہ دوبارہ پڑھ سکتے ہیں۔

اور اگر قریبی ولی پہلے شریک ہو گیا یا پہلے والا جنازہ اسکی اجازت سے پڑھا گیا (اگرچہ ولی خود شریک نہ ہوا ہو) تو اب کسی کو بھی دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں، لہٰذا مذکورہ حیلہ کرنے کی شرعاً اجازت نہیں۔

الجوہرۃ النیرہ میں ہے: فإن أذن الولی لغیرہ أن یصلی فصلی لا یجوز لہ الإعادۃ یعنی اگر ولی نے غیر کو نمازِ جنازہ پڑھانے کی اجازت دے دی، پھر دوسرے کے نمازِ جنازہ پڑھائی تو اب ولی کو اعادے کی اجازت نہیں۔

[الجوھرۃ النیرۃ علی مختصر القدوری، کتاب الطھارۃ، باب التیمم، ۱/۲۴]

فتاوی رضویہ شریف میں ہے: مذہب مہذّب حنفی میں جبکہ ولی نماز پڑھ چکا یا اس کے اذن سے ایک بار نماز ہو چکی، تو اب دوسروں کو مطلقاً جائز نہیں، نہ ان کو جو پڑھ چکے نہ اُن کو جو باقی رہے۔ آئمہ حنفیہ کا اس پر اجماع ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج 9، ص 318، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

22 ربیع الثانی 1445ھ 07 نومبر 2023ء

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

مرد و عورت کا جنازہ ایک ساتھ پڑھنا

سوال: مفتی صاحب، مرد اور عورت دونوں کا جنازہ کیا ایک ساتھ پڑھا جا سکتا ہے یا الگ الگ پڑھنا ہو گا؟ (سائل: بلال چوہدری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوہاب اللہم ہدایۃ الحق والصواب

مرد و عورت کا جنازہ ایک ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے البتہ بہتر یہی ہے کہ کہ الگ الگ جنازہ پڑھا جائے، نیز جب ایک ساتھ پڑھیں تو پہلے امام والی طرف مرد کا جنازہ رکھیں پھر قبلہ والی طرف عورت کا، چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے: فإذا اجتمعت الجنائز فالإمام بالخيار إن شاء صلى عليهم دفعة واحدة، وإن شاء صلى على كل جنازة على حدة.....وأما إذا اختلف الجنس بأن كانوا رجالا ونساء توضع الرجال مما يلي الإمام، والنساء خلف الرجال مما يلي القبلة؛ لأنهم هكذا يصطفون خلف الإمام في حال الحياة، ثم إن الرجال يكونون أقرب إلى الإمام من النساء فكذا بعد الموت. یعنی جب چند جنازے جمع ہو جائیں تو امام کو اختیار ہے چاہے، سب پر ایک دفعہ جنازہ پڑھے یا الگ الگ پڑھے.... اگر مختلف جنس کے ہیں کہ مردوں و عورتوں کے تو امام کے ساتھ مردوں کو رکھیں گے اور عورتوں کو مردوں سے پیچھے قبلے والی طرف کیونکہ زندگی میں یہ ایسے ہی امام کے پیچھے صف بناتے تھے، پھر زندگی میں مرد، عورتوں کے مقابلے میں امام کے زیادہ قریب ہوتے ہیں تو مرنے کے بعد بھی ایسا ہو۔

[بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الصلاۃ، فصل بیان فریضۃ صلاۃ الجنازۃ]

بہار شریعت میں ہے: کئی جنازے جمع ہوں تو ایک ساتھ سب کی نماز پڑھ سکتا ہے یعنی ایک ہی نماز میں سب کی نیّت کرلے اور افضل یہ ہے کہ سب کی علیحدہ علیحدہ پڑھے... اگر مختلف جنس کے ہوں تو امام کے قریب مرد ہو اس کے بعد لڑکا پھر خنثیٰ پھر عورت پھر مراہقہ۔ (بہار شریعت، جلد 1، حصہ 4، صفحہ 839، مکتبۃ المدینہ)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

02 جمادی الثانی 1445ھ 16 دسمبر 2023ء

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

الرضا قرآن وفقہ اکیڈمی آن لائن

ایک قبر میں دو مُردے دفن کرنا

سوال: مفتی صاحب، دو شخص فوت ہوئے، کیا ان دونوں کو ایک ساتھ قبر کھود کر اس میں دفن کر سکتے ہیں؟ (سائل: ارسلان عباس)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

بغیر کسی شرعی ضرورت کے ایک قبر میں دو میتوں کو دفن کرنا جائز نہیں، ہاں بوقت ضرورت مثلا حالت جنگ، زلزلہ وغیرہ جہاں کثیر اموات واقع ہو جائیں تو ایک قبر بنا کر اس میں ایک سے زائد مُردے دفن کرنا جائز ہے، جیسا کہ حضور علیہ السلام نے اُحد کے موقع پر کیا تھا۔

لیکن یہ یاد رہے کہ کسی مسلمان کو دفن کر دینے کے بعد بلا اجازت شرعی اُسکی قبر کو کھولنا اور اُس میں کسی دوسرے مُردے کو دفن کرنا ناجائز و حرام ہے، اگرچہ قبر بہت پُرانی ہو چکی ہو اور میت گل سڑھ کر مٹی ہو چکی ہو۔

المحیط البرہانی، المبسوط، ہندیہ وغیرہ دیگر متعدد کُتب فقہ میں ہے: **ولا یدفن الرجلان أو أکثر فی قبر واحد، وعند الضرورۃ لا بأس بہ، وجعل بینھما حاجز من الصعید، فقد صح أن رسول اللہ علیہ السلام أمر فی شھداء أحد بأن یدفن الاثنین والثلاثۃ منھم فی قبر واحد، وکانت الحالۃ حالۃ الضرورۃ.** یعنی دو یا اس سے زیادہ مرد ایک قبر میں نہیں دفن کر سکتے، اور بوقت ضرورت حرج نہیں، ان دونوں کے درمیان مٹی سے آڑ بنا دیں گے، صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے، شہدائے اُحد میں سے دو، تین کو ایک قبر میں دفن کیا، اور یہ حالت ضرورت تھی۔ [المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی، کتاب الصلاۃ، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، ۲/۱۹۳]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

01 ربیع الثانی 1445ء 17 اکتوبر 2023ھ

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

شرعی فقیر کو زیادہ سے زیادہ کتنی زکوۃ دے سکتے ہیں؟

سوال: مفتی صاحب، شرعی فقیر کو زکوۃ میں زیادہ سے زیادہ کتنی رقم دے سکتے ہیں؟ (سائل: فاروق حسن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

ایک فقیر کو کامل نصاب یعنی ساڑھے باون تولے چاندی کی مالیت سے کم دینا چاہیے اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے، ہاں اگر فقیر مقروض ہے کہ جتنی زکوٰۃ اسکو دی گئی وہ اسکا قرض نکال کر، کامل نصاب کے برابر نہیں تو اب نصاب سے زیادہ دینا مکروہ نہیں، یونہی وہ فقیر بال بچوں والا ہے تو بھی اسے نصاب سے زیادہ اتنی زکوۃ دے سکتے ہیں کہ اگر وہ زکوٰۃ سب پر تقسیم کریں تو سب کا حصہ کامل نصاب سے کم ہو، چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے: **ویکرہ لمن علیہ الزکاۃ أن یعطی فقیرا مائتی درھم أو أکثر ولو أعطی جاز وسقط عنہ الزکاۃ** یعنی جس پر زکوۃ فرض ہو اُسکا ایک فقیر کو دو سو درہم یا اس سے زائد دینا مکروہ ہے، اور اگر دے دیا تو زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ [بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الزکاۃ، فصل رکن الزکاۃ]

در مختار میں ہے: **(وکرہ إعطاء فقیر نصابا) أو أکثر (إلا إذا کان) المدفوع إلیہ (مدیونا أو) کان (صاحب عیال) بحیث (لو فرقہ علیہم لا یخص کلا) أو لا یفضل بعد دینہ (نصاب) فلا یکرہ فتح.** یعنی فقیر کو نصاب یا اس سے زیادہ زکوۃ دینا مکروہ ہے، مگر یہ کہ جب وہ فقیر مقروض ہو یا بال بچوں والا ہو، کہ اگر دیا گیا مال ان سب میں تقسیم ہو تو کسی کے حصے میں کامل نصاب نہ ہو، یا قرض نکالنے کے بعد کامل نصاب نہ بچے تو اب نصاب سے زیادہ دینا مکروہ نہیں۔

[الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار)، کتاب الزکاۃ، باب مصرف الزکاۃ، 2/353]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

05 ربیع الثانی 1445ء 21 اکتوبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، خان محمد نے اپنے کیلے کا باغ دو لاکھ روپے سالانہ کے حساب سے ٹھیکے پر دیا، اب اسکو جو ٹھیکے کی رقم ملی اس پر زکوۃ دے گا یا عشر، اور کتنا؟ (سائل: عبد العزیز انصاری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

کیلے کی پیداوار پر عشر، کیلوں کے مالک (ٹھیکے پر لینے والے) نے دینا ہے، خان محمد نے نہیں، البتہ زکوۃ کی شرائط پائے جانے کی صورت میں خان محمد پر زکوۃ کا سال پورا ہونے پر ان دو لاکھ کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔

در مختار میں ہے: والعشر على المؤجر كخراج موظف وقالا على المستأجر كمستعير مسلم: وفي الحاوي وبقولهما نأخذ یعنی کرائے پر دی گئی زمین کا عشر کرائے پر دینے والے (مالک زمین) پر ہو گا، جیسے خراج مؤظف، اور صاحبین کہتے ہیں کرائے پر لینے والے (کاشتکار) پر ہو گا جیسے بطور عاریت زمین لینے والے مسلمان پر عشر ہوتا ہے، اور حاوی میں ہے، ہم صاحبین کے قول کو لیتے ہیں۔ [الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار)، كتاب الزكوة، باب العشر، ۲/۳۳۴]

بہار شریعت میں ہے: زمین جو زراعت کے لیے نقدی پر دی جاتی ہے، امام کے نزدیک اُس کا عشر زمیندار پر ہے اور صاحبین کے نزدیک کاشتکار پر اور علامہ شامی نے یہ تحقیق فرمائی کہ حالت زمانہ کے اعتبار سے اب قول صاحبین پر عمل ہے۔ (بہار شریعت، پھلوں اور سبزیوں کی زکوۃ، جلد 1، حصہ 5، مکتبۃ المدینہ)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبہ

ابو الحسن محمد حق نواز مدنی

23 ربیع الثانی 1445ھ 08 نومبر 2023ء

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

حضور علیہ السلام نے کتنے حج ادا فرمائے؟

سوال: مفتی صاحب، نبی پاک علیہ السلام، نے اپنی زندگی میں کل کتنے حج کیے؟ (سائل: وکیل مجتبیٰ بھٹی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی حیات مبارکہ میں کل تین حج ادا فرمائے، دو ہجرت سے قبل اور ایک فرض حج ہجرت کے بعد جسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے: **عن جابر بن عبد الله، أن النبي صلى الله عليه وسلم: حج ثلاث حجج، حجتين قبل أن يهاجر، وحجة بعد ما هاجر** یعنی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک علیہ السلام نے تین حج ادا فرمائے، دو ہجرت سے قبل اور ایک ہجرت کے بعد۔

[الترمذی، سنن الترمذی ت شاکر، ابواب الحج، ۳/۱۶۹]

السنن الکبری میں ہے: **عن مجاهد، قال: حج رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث حجج حجتين وهو بمكة قبل الهجرة وحجة الوداع. قال الشيخ: وحجة قبل الهجرة يكون قبل نزول فرض الحج فلا يعتد به عن الفرض المنزل بعده والله أعلم** یعنی حضرت مجاہد سے روایت ہے، حضور علیہ السلام نے تین حج ادا فرمائے، دو حج ہجرت سے قبل مکہ میں اور اور دوسرا حجۃ الوداع، شیخ نے فرمایا ہجرت سے قبل والا حج، فرضیت حج کے حکم کے نزول سے قبل ہے لہذا اُسے بعد میں فرض ہونے والے حج کی طرف سے شمار نہیں کیا جائے گا۔

[السنن الکبری للبیہقی، کتاب الحج، باب تأخیر الحج]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبہ

ابو الحسن محمد حق نواز مدنی

25 ربیع الاول 1445ھ 12 اکتوبر 2023ء

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

حج وعمرہ کے لیے پیسے مانگنا اور حج وعمرہ کرنا

سوال: مفتی صاحب، حج اور عمرہ کے لیئے پیسے مانگ مانگ جمع کرنا اور ان پیسوں سے حج وعمرہ کرنا کیسا؟ (شاکر انصاری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

حج یا عمرہ کے لیے لوگوں سے پیسے مانگنے کی اجازت نہیں، حدیث مبارکہ میں بلاوجہ کسی سے مانگنے پر سخت وعید وارد ہوئی ہے، البتہ اگر کسی نے ایسے حج ادا کرلیا تو ادا ہو جائے گا کیونکہ مخصوص وقت میں مخصوص افعال بجالانے سے حج ادا ہو جاتا ہے۔ نیز قرض لے کر حج و عمرہ کرنے کے لیے جانے میں حرج نہیں جبکہ قرض واپس کرنے کی اُمید ہو۔

صحیح مسلم شریف میں ہے: عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سأل الناس أموالهم تكثرا، فإنما يسأل جمرا فليستقل أو ليستكثر یعنی روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مال بڑھانے کے لیے بھیک مانگے تو وہ انگارہ مانگتا ہے اب چاہے کم کرے یا زیادہ۔

[صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب کراھۃ المسئلۃ للناس، 2/720]

صحیح بخاری شریف میں ہے: قال النبي صلى الله عليه وسلم: ما يزال الرجل يسأل الناس، حتى يأتي يوم القيامة ليس في وجهه مزعة لحم یعنی آدمی لوگوں سے مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت والے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہ ہو گا۔

[صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب من سئل الناس تکثرا، ۲/۱۲۳]

کنز الدقائق میں ہے: ھو زیارۃ مکان مخصوص فی زمان مخصوص بفعل مخصوص یعنی مخصوص زمانے میں مخصوص افعال کے ساتھ مخصوص جگہوں کی زیارت کرنا حج کہلاتا ہے۔ [النسفی، کنزالدقائق، کتاب الحج، صفحۃ ۲۲۶]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

22 ربیع الثانی 1445ء 07 نومبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

محرم کا وضو کے بعد احرام کی چادر سے منہ صاف کرنا

سوال: مفتی صاحب، احرام کی حالت میں وضو کے بعد احرام سے منہ پونچھ لیا تو اسکا کیا حکم ہے، کیا کوئی کفارہ ہے؟

(سائل: محمد ارشد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

حالتِ احرام میں محرم پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنا چہرہ کھلا رکھے، کسی بھی چیز مثلاً کپڑے، رومال وغیرہ سے چھپانے کی اجازت نہیں، ظاہر ہے اِحرام کی چادر سے منہ صاف کرتے وقت اتنی دیر کے لیے منہ چھپ جائے گا، لہذا چادر سے منہ صاف کرنے کی اجازت نہیں، اور اگر صاف کر لیا تو ایک صدقہ فطر کی مقدار صدقہ کرنا ہو گا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: **ولو غطى المحرم رأسه أو وجهه يوما فعليه دم، وإن كان أقل من ذلك فعليه صدقة كذا في الخلاصة وكذا إذا غطاه ليلة كاملة سواء غطاه عامدا أو ناسيا أو نائما كذا في السراج الوهاج.** یعنی اگر محرم نے اپنے سر یا چہرے کو پورا دن ڈھانپے رکھا تو اس پر دم لازم ہے، اور اگر اس سے کم ڈھانپا تو صدقہ ہے، ایسا ہی خلاصہ میں ہے، اور پوری رات ڈھانپنے پر بھی ایسے ہی حکم ہے، برابر ہے کہ یہ ڈھانپنا جان بوجھ کر ہو، غلطی سے ہو یا حالت نیند میں، ایسا ہی السراج الوہاج میں ہے۔

[الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، الفصل الثاني في اللبس، ۲۴۲/۱]

بہار شریعت میں ہے: مرد یا عورت نے مونھ کی ٹکلی ساری یا چہارم چھپائی یا مرد نے پورا یا چہارم سر چھپایا تو چار پہر یا زیادہ لگاتار چھپانے میں دَم ہے اور کم میں صدقہ۔ (بہار شریعت، جرم اور ان کے کفارے کا بیان، جلد 1، حصہ 6، مکتبۃ المدینہ)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــہ

ابو الحسن محمد حق نواز مدنی

11 جمادی الثانی 1445ھ 25 دسمبر 2023ء

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

طواف مکروہ وقت میں ختم ہو تو نماز طواف کب پڑھیں؟

سوال: مفتی صاحب، اگر مکروہ وقت میں طواف مکمل ہو، تو کیا اس وقت طواف کی نماز پڑھ سکتے ہیں؟ (سائل: نوید سعید)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

اگر مکروہ وقت میں طواف مکمل ہو تو اس وقت طواف کے نفل پڑھنے کی اجازت نہیں کیونکہ تین مکروہ اوقات یعنی سورج طلوع ہونے کے بیس منٹ بعد، غروب آفتاب سے بیس منٹ قبل اور نصف النہار سے سورج ڈھلنے تک (وقت زوال) طواف کی نماز پڑھنا جائز نہیں، اگر کسی نے پڑھ لی تو یہ نماز ادا ہی نہ ہوگی، یعنی طواف کرنے والے کے ذمہ پر بدستور یہ واجب باقی رہے گا، یونہی فجر اور عصر کی نماز کے بعد بھی طواف کے نفل پڑھنا مکروہ ہے، اگر شروع کر دیے تو بھی توڑ کر غیر مکروہ وقت میں پڑھنا ضروری ہے۔

در مختار میں نماز طواف کے متعلق ہے: (ثم صلى شفعا)في وقت مباح (يجب بعد كل أسبوع عند المقام أو غيره من المسجد) یعنی طواف کرنے والا مباح وقت میں دو رکعت پڑھے، اور یہ ہر سات چکروں کے بعد مقام ابراہیم یا مسجد میں کسی جگہ پڑھنا واجب ہے۔

اسکے تحت رد المحتار میں ہے: ولو صلاها في وقت مكروه قيل صحت مع الكراهة ويجب قطعها فإن مضى فيها فالأحب أن يعيدها لباب وفي إطلاقه نظر لما مر في أوقات الصلاة من أن الواجب، ولو لغيره كركعتي الطواف والنذر لا تنعقد في ثلاثة من الأوقات المنهية أعني الطلوع والاستواء والغروب، بخلاف ما بعد الفجر، وصلاة العصر فإنها تنعقد مع الكراهة فيهما یعنی اگر نماز طواف مکروہ وقت میں پڑھی تو کہا گیا ہے کہ کراہت کے ساتھ صحیح ہے اور اسے توڑنا واجب ہے، اور اگر جاری رکھے تو لوٹانا بہتر ہے، (علامہ شامی کہتے ہیں) اس مسئلے کو یوں مطلقا بیان کرنے میں نظر ہے، کیونکہ باب اوقات صلاۃ میں یہ بات گزر چکی کہ واجب نماز اگرچہ لغیرہ ہو جیسے طواف و نذر کی رکعتیں یہ تین ممنوعہ اوقات یعنی طلوع و غروب اور استواء کے وقت منعقد ہی نہیں ہوتیں، بر عکس فجر و عصر کی نماز کے بعد، کیونکہ ان دونوں وقتوں میں یہ نماز منعقد تو ہو جائے گی لیکن مکروہ ہو گی۔

[الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار)، كتاب الحج، فصل في الاحرام، 2/499]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

10 ربیع الثانی 1445ھ 26 اکتوبر 2023ء

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

کلمہ پڑھ کر کسی کام کے کرنے کا وعدہ کرنا

سوال: مفتی صاحب، اگر کوئی کلمہ پڑھ کے کسی حلال کام کے کرنے کا وعدہ کرے، پھر بغیر کسی مجبوری کے اپنی بات نہ نبھائے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ (سائل: جویریہ اشفاق)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

ہمارے عرف میں کلمہ پڑھ کر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی بات کرنا شرعاً قسم ہے، جسے توڑنے پر قسم کا کفارہ دینا ہو گا۔

چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے: **وروی المعلی عن محمد إذا قال لا إله إلا الله لا أفعل كذا وكذا لا يكون يمينا إلا أن ينوی يمينا. وكذا قوله سبحان الله والله أكبر لا أفعل كذا لأن العادة ما جرت بالقسم بهذا اللفظ** یعنی امام محمد سے روایت ہے کہ جب کسی نے کہا لا الہ الا اللہ میں ایسے ایسے نہیں کروں گا تو قسم کی نیت ہونے کی بصورت میں یہ قسم ہے ورنہ نہیں، اور ایسے ہی (نیت کے ساتھ قسم ہو گی) جب کسی نے کہا سبحان اللہ واللہ اکبر میں ایسے نہ کروں گا، ان الفاظ سے قسم کے نیت پر موقوف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان الفاظ سے قسم اٹھانے پر عادت جاری نہیں (مطلب جب ان الفاظ سے قسم اٹھانے پر عادت جاری ہو تو ان الفاظ سے بغیر نیت کے بھی قسم منعقد ہو جائے گی) [بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الأیمان، فصل فی رکن الیمین]

بہار شریعت میں ہے: ان الفاظ سے بھی قسم ہو جاتی ہے حلف کرتا ہوں، قسم کھاتا ہوں، میں شہادت دیتا ہوں، خدا گواہ ہے، خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں۔ مجھ پر قسم ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ میں یہ کام نہ کروں گا۔

(بہار شریعت، قسم کا بیان، ج 2، حصہ 9، مکتبۃ المدینہ)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

04 ربیع الثانی 1445ء 20 اکتوبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائے کہ اس کے علاوہ میں کسی اور سے شادی نہیں کروں گا، لیکن پھر وہ اس سے شادی نہ کر سکے تو کیا کرنا چاہیے کسی اور سے شادی کرے نہ کرے، قسم توڑے نہ توڑے، اگر اس نے وہ قسم ہمیشہ کے لیے کھائی ہو مثلاً میں اسکے علاوہ کبھی کسی شادی نہیں کروں گا تو پھر کیا حکم ہو گا، تفصیل سے رہنمائی فرمائیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

پوچھی گئی صورت میں قسم اٹھانے والے شخص کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ وہ کسی دوسری عورت سے شادی کر کے قسم توڑ دے، بلکہ اگر اس پر نکاح کے فرض یا واجب ہونے والی کیفیت ہو تو اب اس پر نکاح کر کے قسم توڑنا ضروری ہے، بہر حال نکاح کسی اور عورت سے کرنے کی صورت میں قسم کا کفارہ دینا لازم ہو گا۔

یہ یاد رہے کہ اگرچہ اس شخص نے یہ قسم ہمیشہ کے لیے کھائی ہے اس پر کفارہ ایک ہی دفعہ دینا لازم ہو گا نہ کہ بار بار، یعنی اگر بالفرض اس شخص نے دوسری، تیسری، چوتھی شادی کی تب بھی کفارہ صرف پہلی مرتبہ دینا لازم ہے، ہر مرتبہ نہیں کیونکہ قسم میں تابید (ہمیشگی) تکرار کا فائدہ نہیں دیتی، صرف مخصوص وقت کی نفی کرتی ہے، یعنی قسم میں تابید کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ قسم مطلقا ہر وقت کے لیے ہے، کسی مخصوص وقت یا مدت کے ساتھ خاص نہیں۔

صحیح مسلم شریف میں ہے: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إذا حلف أحدكم على اليمين، فرأى خيرا منها، فليكفرها، وليأت الذي هو خير» یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی بات پر قسم اُٹھالے پھر اُسکے غیر میں بہتری دیکھے تو قسم کا کفارہ دے دے اور اُس بہتر کام کو کرے۔ [مسلم، صحیح مسلم، کتاب الأیمان، ۳/۱۲۷۳]

البحر الرائق میں ہے: أن التأبيد ينفي التوقيت لا التوحيد... ولا يتكرر یعنی تابید (لفظ کبھی بھی) توقیت کی نفی کرتی ہے یعنی قسم کے کسی وقت کے ساتھ مقید ہونے کی نفی کرتی ہے، توحید کی نفی نہیں کرتی ... اور اس میں تکرار نہیں ہو تا یعنی ایک دفعہ ٹوٹنے کے بعد قسم ختم ہو جاتی ہے۔ [البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الطلاق، باب التعلیق فی الطلاق]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

07 جمادی الاول 1445ء 22 نومبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

آن لائن
الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی

ادلے بدلے کے نکاح میں اگر دونوں طرف سے مہر مقرر ہو تو نکاح شغار نہیں

سوال: مفتی صاحب، اگر ادلہ بدلہ یعنی وٹہ سٹہ کی شادی میں اگر یوں کہا جائے کہ تم اپنی بیٹی یا بہن ہمیں دو گے تو ہم اپنی بیٹی یا بہن تمہیں دیں گے اور پھر دونوں طرف سے بوقت نکاح باقاعدہ رقم کی صورت میں مہر مقرر کیا جائے تو کیا پھر بھی نکاح شغار ہو گا؟ (سائل: مرتضی کاظمی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

نکاحِ شغار اسلام میں ممنوع ہے، البتہ سوال میں بیان کی گئی صورت نکاحِ شغار کی نہیں کیونکہ نکاحِ شغار میں ہر ایک عورت کا نکاح دوسری عورت کا حق مہر ہوتا ہے جبکہ یہاں ایسا نہیں، لہذا ایجاب و قبول اور نکاح کی دیگر تمام شرائط پائے جانے کی صورت میں مذکورہ دونوں نکاح بالکل درست ہیں۔

نکاحِ شغار میں ایک عورت کا نکاح ہی دوسری کے لیے مہر مقرر ہوتا ہے ورنہ شغار نہیں، چنانچہ اس قید کے متعلق علامہ سراج الدین ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں: وهذا القيد لابد منه في مسمى الشغار حتى لو لم يقل ذلك ولا معناه بل قال: زوجتك بنتي على أن تزوجني بنتك فقبل أو على أن يكون بضع بنتي صداقا لبنتك فلم يقبل الآخر بل زوجه بنته ولم يجعلها صداقا لم يكن شغارا بل نكاحا صحيحا اتفاقا یعنی یہ قید نکاح شغار کی تعریف میں ضروری ہے یہاں تک کہ اگر اس قید کو لفظا و معنی ذکر نہ کیا بس اتنا ہی کہا کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر تمہارے ساتھ کیا کہ تو اپنی بیٹی کا نکاح میرے ساتھ کرے گا، پس دوسرے نے قبول کر لیا یا ایک نے یہ شرط رکھی کہ میری بیٹی کا نکاح تیری بیٹی کے لیے مہر ہو گا جبکہ دوسرے نے اس شرط کو قبول ہی نہ کیا بلکہ اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط کو مہر بنائے بغیر ہی کر دیا تو بالاتفاق یہ نکاح شغار نہیں بلکہ نکاح صحیح ہے۔

[النهر الفائق شرح كنز الدقائق، كتاب النكاح، باب المهر]

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں: لو لم يقل على أن يكون بضع كل واحدة صداقا للآخر يجوز النكاح ولا يكون شغارا بإجماع الأئمة الأربعة. اگر یہ نہ کہا کہ ہر ایک عورت کی بضعہ دوسری کے لیے مہر تو یہ نکاح جائز ہے، اور آئمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ یہ نکاحِ شغار نہیں۔

[بدر الدين العينى، البناية شرح الهداية، كتاب النكاح، باب المهر]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

03 جمادی الاول 1445ء 18 نومبر 2023ھ

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

مہر میں قرآن پاک کی تعلیم مقرر کرنا

سوال: مفتی صاحب، اگر کسی نے عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ ایک سال تک تمہیں قرآن کی تعلیم دوں گا یا ایک سال آپ کی خدمت کروں گا تو کیا نکاح ہو جائے گا اور کیا الگ سے کوئی مہر دینا پڑھے گا؟ (سائل: زاہد گلگتی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوہاب اللھم ہدایۃ الحق والصواب

پوچھی گئی صورت میں نکاح ہو جائے گا، البتہ مہر مثل دینا لازم ہو گا یعنی اس عورت کے خاندان میں اسکے برابر کی دیگر عورتوں کا جو مہر ہے وہ دینا لازم ہے۔

کنزالدقائق مع تبیین الحقائق میں ہے: ویجب مہر المثل فی الشغار وخدمۃ زوج حر للأمہار وتعلیم القرآن)... وخدمۃ الحر وتعلیم القرآن لیس بمال فیجب مہر المثل یعنی نکاح شغار، آزاد مرد کا عورت کی خدمت اور تعلیم قرآن کے عوض نکاح والی صورتوں میں عورت کے لیے مہر مثل واجب ہو گا ... کیونکہ آزاد مرد کا خدمت کرنا اور تعلیم قرآن مال نہیں ہیں لہذا مہر مثل واجب ہو گا۔ [تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق، کتاب النکاح، باب المہر، ۱۴۶/۲]

بہار شریعت میں ہے: جو چیز مال متقوم نہیں وہ مَہر نہیں ہو سکتی اور مہر مثل واجب ہو گا، مثلاً مہر یہ ٹھہرا کہ آزاد شوہر عورت کی سال بھر تک خدمت کرے گا یا یہ کہ اسے قرآن مجید یا علمِ دین پڑھا دے گا یا حج و عمرہ کرا دے گا۔

(بہار شریعت، مہر کا بیان، ج 1، حصہ 7، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

22 جمادی الاول 1445ھ 07 دسمبر 2023ء

وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، شوہر نے ابھی تک مہر ادا نہیں کیا اور بیوی فوت گئی، یا مہر ادا کیے بغیر شوہر فوت ہو گیا تو اس صورت میں مہر کا کیا حکم ہے؟ (سائل: مصطفیٰ احمد رضا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

میاں بیوی کسی ایک کی موت سے مہر معاف نہیں ہوتا اور نہ کچھ کمی ہوتی ہے۔ اگر شوہر بغیر مہر ادا کیے انتقال کر جائے تو اسکے ترکہ یعنی چھوڑے ہوئے مال سے دیگر قرضوں کی طرح مہر ادا کیا جائے گا، پھر بقیہ مال میں وصیت و وراثت جاری ہو گی۔

اور اگر بیوی، شوہر سے مہر وصول کیے بغیر مر گئی تو یہ مہر اب بیوی کی وراثت میں شامل ہو گا، اور ورثاء میں انکے حصوں کے مطابق تقسیم ہو گا، اور اس میں شوہر کا بھی حصہ ہو گا۔

فقہ حنفی کی معروف کتاب کنز الدقائق میں ہے: لا یسقط بموت یعنی میاں بیوی کسی کی موت سے حق مہر ساقط نہیں ہوتا۔

[کنز الدقائق، کتاب النکاح، باب النفقہ]

بدائع الصنائع میں ہے: لا یسقط عن الزوج شیء من المهر بل يتأكد المهر عندنا.... والمهر فى تلك الحالة ملك الورثة.

(بیوی کی وفات) کے سبب ہمارے نزدیک شوہر سے مہر میں کچھ کمی نہیں ہو گی بلکہ مہر مؤکد ہو جائے گا (یعنی مہر کی ادائیگی لازم ہو گی)....اور اس حالت میں مہر وارثوں کی ملک ہو گا۔

[بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب النکاح، فصل بیان ما یتأکد بہ المہر، 2/294]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبہ

ابو الحسن محمد حق نواز مدنی

22 جمادی الاول 1445ء 07 دسمبر 2023ھ

شوہر کا طلاق کے الفاظ کسی شرط پر معلق کر کے رجوع کرنا

سوال: مفتی صاحب، اگر شوہر اپنی بیوی کو کسی کام سے منع کرے کہ اگر تم نے یہ کام کیا مثلا اپنی ماں کے گھر گئی تو تمہیں طلاق، لیکن اب شوہر اپنی بات سے رجوع کرنا چاہتا ہے، کیا وہ اپنی اس بات سے رجوع کر سکتا ہے تا کہ اب وہ کام کرنے پر عورت کو طلاق واقع نہ ہو؟ (سائل: عطاء خیل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

اگر واقعی شوہر نے یہی لفظ بولے ہیں تو اب جب بھی یہ شرط پائی گی یعنی عورت اپنی والدہ کے گھر گئی تو عورت کو ایک طلاق ہو جائے گی۔ اس ایک طلاق سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ عورت اب والدہ کے گھر نہ جائے، اسکے علاوہ صورت نہیں۔

ہدایہ شریف اور دیگر متعدد کتب فقہ میں ہے: **وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق** یعنی جب طلاق کو کسی شرط کی طرف مضاف کیا، تو شرط پائے جانے کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی، جیسے مرد اپنی عورت سے کہے کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی، تو تجھے طلاق۔

[الهداية فى شرح بداية المبتدى، كتاب الطلاق، باب الأيمان فى الطلاق، ۲۴۴/۱]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

25 ربیع الاول 1445ء 12 اکتوبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، شوہر نے عورت کو طلاق دی، اب شوہر کہتا ہے ایک طلاق دی جبکہ بیوی کہتی ہے تین دیں، اور کوئی گواہ بھی نہیں، کیا حکم شرع ہو گا ؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

اگر بیوی کے پاس تین طلاقیں ثابت کرنے کے لیے کوئی گواہ نہیں تو شوہر سے تین طلاقیں نہ دینے پر قسم لی جائے گی، اگر شوہر قسم اٹھالیتا ہے تو تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی اور اگر قسم نہیں اٹھاتا تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

نیز یہ بھی یاد رہے کہ اگر واقعی بیوی کو یقین ہے کہ شوہر نے تین طلاقیں دی تھیں، جو گواہی نہ ہونے کے باعث ثابت نہ ہو سکیں تو بیوی کو چاہیے کہ وہ شوہر سے کسی بھی طرح خلع یا دباؤ ڈال کر طلاق لے لے اور اپنی جان چھڑائے، اور اس دوران شوہر کو اپنے اوپر ہر گز قدرت نہ دے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اپنی خواہش سے کبھی بھی ازدواجی تعلق قائم نہ کرے، ہاں اگر مجبوراً ایسا کرنا پڑے تو اس کا اور جھوٹی قسم کا سارا گناہ شوہر پر ہے۔

بحر الرائق میں ہے : سمعت بطلاق زوجها إياها ثلاثا ولا تقدر على منعه .... وذكر الأوزجندي أنها ترفع الأمر إلى القاضي فإن لم يكن لها بينة تحلفه فإن حلف فالإثم عليه یعنی عورت نے شوہر سے اپنے آپ کو تین طلاقیں دیتے ہوئے سنا اور اسکو منع کرنے پر قادر نہیں.... (اسکے متعلق) امام اوزجندی نے فرمایا کہ معاملہ قاضی کے پاس لایا جائے گا، اگر عورت کے پاس گواہ نہ ہوں تو شوہر سے قسم لی جائے گی، اگر اُس نے قسم اُٹھالی تو گناہ شوہر پر ہی ہے۔

[البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب القاضي، باب القضاء بشهادة الزور، ۱۵/۷]

فتاوی شامی میں ہے : والفتوى على أنه ليس لها قتله، ولا تقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال أو تهرب یعنی اس صورت میں فتوی اس پر ہے کہ عورت کے لیے شوہر کو قتل کرنا یا خودکشی کرنا جائز نہیں، بلکہ وہ مال دے کر یا بھاگ کر اپنی جان چھڑائے۔ [ابن عابدين، الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار)، ۲۵۱/۳]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

05 جمادی الاول 1445ھ 20 نومبر 2023ء

خلع کا ایک مسئلہ

سوال: مفتی صاحب، ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا میرے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس پر مجھے خلع دے دو، شوہر نے جب خلع دی تو عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا، کیا خلع واقع ہو جائے گی اور عورت مرد کو کیا دے گی؟ (سائل: زاہد گلگتی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

پوچھی گئی صورت میں عورت کو طلاق بائن ہو جائے گی، اور عورت پر شوہر کو کچھ بھی دینا لازم نہیں، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے: إن سمى في الخلع ما احتمل أن يكون مالا وأن لا يكون مالا بأن اختلعت على ما في بيتها أو على ما في يدها من شيء ينظر إن كان في يدها أو في بيتها في تلك الساعة شيء فذلك للزوج وإن لم يكن في بيتها ولا في يدها شيء فلا شيء للزوج

یعنی اگر خلع میں وہ چیز بیان کی جس میں احتمال ہو کہ وہ مال ہے یا نہیں، اس طرح کہ عورت نے اس پر خلع کیا کہ جو کچھ اُسکے کمرے یا ہاتھ میں ہے، تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس وقت اُسکے ہاتھ یا کمرے میں کچھ ہے تو وہ شوہر کے لیے ہو گا، اور اگر کمرے و ہاتھ میں کچھ نہیں تو شوہر کے لیے کچھ نہیں۔

[الفتاوی الهندية، کتاب الطلاق، الباب الثامن فی الخلع، الفصل الثانی، ۱/۴۹۴]

بہار شریعت میں ہے: یونہی (یعنی طلاق بائن ہو گی) اگر عورت نے یہ کہا میرے ہاتھ میں جو کچھ ہے اُس کے بدلے میں خلع کر اور ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو کچھ واجب نہیں۔ (بہار شریعت، خلع کا بیان، جلد2، حصہ 8، مکتبۃ المدینہ)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

05 جمادی الثانی 1445ء 19 دسمبر 2023ھ

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

آن لائن
الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی

عدت کے دوران زیور، چوڑیاں پہننا

سوال: مفتی صاحب، کیا عورت عدت میں زیورات، ناک میں لونگ، ہاتھ میں چوڑی، پہن سکتی ہے؟

(سائل: سالار سکندر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

وفات اور طلاق بائن کی عدت گزارنے والی عورت پر سوگ لازمی ہے، اور اس سوگ کے دوران اُسے زینت اختیار کرنا جائز نہیں، لہذا اس عدت کے دوران عورت کسی قسم کا زیور اور چوڑیاں استعمال نہیں کر سکتی، اور اگر پہلے سے یہ چیزیں پہنی ہوں تو اُتارنا لازم ہے۔

فقہ حنفی کی معروف کتاب کنز الدقائق میں ہے: تحد معتدة البت والموت بترك الزينة یعنی موت اور طلاق بائن کی عدت والی زینت ترک کر کے سوگ منائے گی۔ [کنز الدقائق، باب العدۃ، فصل فی الإحداد]

اسکے تحت علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: وشمل لبس الحرير بجميع أنواعه وألوانه، ولو أسود وجميع أنواع الحلى من ذهب وفضة وجواهر یعنی زینت میں اپنی جمیع اقسام و رنگ کے ساتھ ریشم پہننا بھی شامل ہے، اگرچہ کالے رنگ کا ہو، سونے چاندی سے بنے تمام زیور اور دیگر تمام جواہر بھی شامل ہیں۔

[البحر الرائق شرح کنز الدقائق، باب العدۃ، فصل فی الإحداد، ۱۶۳/۴]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

01 جمادی الثانی 1445ھ 15 دسمبر 2023ء

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

آن لائن

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی

عدت کے دوران نوکری کے لیے جانا

سوال: مفتی صاحب، ایک عورت کا شوہر فوت ہو گیا، وہی گھر کا کفیل تھا عورت بھی ٹیچنگ کرتی تھی کیا شوہر کی وفات کے بعد عدت میں عورت پڑھانے کے لیے جاسکتی ہے، اس کا کمانے اور نان نفقہ اٹھانے والا بھی کوئی اور نہیں؟ (سائل: شکیل رضا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

عدت وفات کے دوران گھر عورت کو گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں، سکول سے اتنے دن کی چھٹی لے لے، البتہ سکول والے چھٹی نہ دیں، اور پاس اتنی رقم بھی نہیں جس سے گزارا ہو سکے، تو بامر مجبوری جتنی حاجت ہے اُتنے دن جانے کی اجازت ہے، اور چھٹی کے وقت فوراً واپس عدت والے گھر آجائے۔ قرآن پاک میں ہے: **لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ** ترجمہ: عدت میں انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ آپ نکلیں۔ (القرآن، پارہ 28، سورۃ الطلاق)

بدائع الصنائع میں ہے: **وأما المتوفى عنها زوجها فلا تخرج ليلا ولا بأس بأن تخرج نهارا في حوائجها** یعنی عدت وفات والی رات کو گھر سے نہ نکلے البتہ دن کے وقت اپنی حاجت میں نکل سکتی ہے۔ [بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ککتاب الطلاق، فصل فی احکام العدۃ]

کمال الدین ابن ہمام فرماتے ہیں: **والحق أن على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع، فإن علم في واقعة عجز هذه المختلعة عن المعيشة إن لم تخرج أفتاها بالحل وإن علم قدرتها أفتاها بالحرمة** حق یہ ہے کہ مفتی خاص واقع میں نظر کرے، اگر وہ خاص اس معاملے میں عورت کے نہ نکلنے سے اُسکے گزر بسر میں عجز جانے تو عورت کے باہر جانے کی حلت کا فتوی دے، اور اگر خرچ وغیرہ پر عورت کی قدرت جانے تو حرمت کا فتوی دے۔ [فتح القدیر للکمال ابن الھمام، کتاب الطلاق، باب العدۃ]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

11 ربیع الاول 1445ھ 28 ستمبر 2023ء

الرضا قرآن وفقہ اکیڈمی آن لائن

حکومت کا اشیاء کی قیمتیں مقرر کرنا، تاجروں کا مہنگا بیچنا

سوال: مفتی صاحب، حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے زیادہ پر کھاد فروخت کرنا کیسا؟ (سائل: فرحان خلیل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

شریعت نے نفع کی مقدار مقرر کیے بغیر تجارت کو حلال فرمایا، اور مقدارِ نفع کو عاقدین (بائع و مشتری) کی مرضی پر چھوڑا، لہذا مالک اپنی چیز بغیر دھوکہ و فراڈ کے جتنے کی چاہے بیچے، خریدار چاہے تو اتنے کی لے لے یا چھوڑ دے، البتہ تاجروں کو چاہیے کہ اخلاقی طور پر چیزوں کا ریٹ زیادہ نہ کریں عوام کی خیر خواہی کریں۔

اور اگر تاجر بہت زیادہ نفع مقرر کریں جس سے عوام مشقت میں پڑ جائے تو حکومت کو اختیار ہے کہ ایک مناسب نفع مقرر کر کے عوام کو مشقت سے بچائیں، اور اس صورت میں تاجروں کا مقررہ نفع سے زیادہ میں چیز بیچنا درست نہیں۔

ہدایہ شریف میں ہے: فلا ينبغي للإمام أن يتعرض لحقه إلا إذا تعلق به دفع ضرر العامة یعنی حاکم کے لئے (چیزوں کی قیمت مقرر کر کے) لوگوں کے حق کے پیچھے پڑنا مناسب نہیں، مگر یہ کہ لوگوں سے ضرر دور کرنا مقصود ہو (یعنی پھر حاکم کا چیزوں کی قیمت مقرر کرنا درست ہے) (الهداية في شرح بداية المبتدی، کتاب الکراهية، فصل في البيع، 4/378)

بہار شریعت میں ہے: تاجروں نے اگر چیزوں کا نرخ بہت زیادہ کر دیا ہے اور بغیر نرخ مقرر کیے کام چلتا نظر نہ آتا ہو تو اہل الرائے سے مشورہ لے کر قاضی نرخ مقرر کر سکتا ہے۔ (بہار شریعت، جلد 3، حصہ 16، صفحہ 483، مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

22 ربیع الثانی 1445ھ 07 نومبر 2023ء

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سامان اُٹھانے والے دن مارکیٹ ریٹ کم ہوا تو وہی دیں گے ورنہ آج کا

سوال: مفتی صاحب، ہم سونا خریدتے وقت سونار کو کہیں کچھ زیور بنا کر دو، اب پوچھنا یہ ہے کہ ہم پر پیسے کس دن کے اعتبار سے دینا لازم ہے، آرڈر والے دن یا زیور وصولی والے دن، نیز بعض اوقات یہ طے ہوتا ہے کہ وصولی والے دن اگر مارکیٹ ریٹ، کم ہوا تو اسی دن کا دیں گے ورنہ آج آرڈر والے دن کا، کیا اس طرح کرنا درست ہے؟ (سائل: لقمان قائمی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

سونا خریدتے وقت اسکی قیمت معین کرنا ضروری ہے، اور پھر بوقت عقد جو قیمت فریقین میں طے ہو جائے اسی کی ادائیگی لازم ہوتی ہے، جس دن وصول کرنا ہے اسکی قیمت کا اعتبار نہیں۔

سونا یا کسی بھی چیز کو یوں خریدنا کہ جس دن ہم سامان اٹھائیں گے اس دن جو مارکیٹ ریٹ ہو گا وہ دیں گے یا یوں طے کرنا کہ اس دن اگر مارکیٹ ریٹ، موجودہ ریٹ سے کم ہوا تو ہم کم ریٹ کے حساب سے ہی قیمت ادا کریں گے، اور اگر اس دن مارکیٹ ریٹ، موجودہ ریٹ سے زیادہ ہوا تو ہم بکنگ والے دن کی قیمت دیں گے، یہ تمام طریقے شرعاً ناجائز ہیں، کیونکہ مذکورہ صورتوں میں مبیع (خریدی گئی چیز) کی قیمت معلوم نہیں بلکہ مجہول ہے کیا پتہ آنے والے دن قیمت کیا ہو گی، جبکہ شرعاً خرید و فروخت میں بوقتِ عقد مبیع کی قیمت معین و معلوم ہونا لازمی ہے۔

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے: وجهالة مقدار الثمن تمنع صحة العقد یعنی مقدار ثمن کی جہالت عقد کے صحیح ہونے کے لیے رکاوٹ ہے۔

[الجوهرة النيرة على مختصر القدوری، کتاب البیوع]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

05 جمادی الاول 1445ء 20 نومبر 2023ھ

سوال: مفتی صاحب، زید نے ایک دوکاندار سے ایک چیز خرید کر اکرم کو ادھار پر بیچ دی، اب اکرم نے وہی چیز قبضے میں لے کر دکاندار کو واپس بیچ دی کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ (سائل: مہر محسن غفور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

سوال میں پوچھی گئی خرید و فروخت کی صورت جائز ہے۔ اپنی بیچی ہوئی چیز واپس خریدنے کے عدمِ جواز میں اصول یہ ہے کہ بیچنے والے نے ابھی اس چیز کی پوری قیمت خریدار سے وصول ہی نہ کی ہو اور مشتری سے واپس کم قیمت میں خریدے تو یہ ناجائز ہے البتہ یہاں چند جائز صورتیں بھی ہیں: (1) بیچنے والا چیز کی قیمت خریدار سے وصول کر چکا ہے تو اب یہی چیز خریدار سے واپس کسی بھی ریٹ پر خرید سکتا ہے۔ (2) بیچنے والے نے ابھی تک چیز کی قیمت وصول نہیں کی تو اب بھی خریدار سے پہلے والے یا زیادہ ریٹ پر واپس خرید سکتا ہے کم ریٹ پر نہیں۔ (3) بیچنے والا مذکورہ چیز اس شخص سے واپس نہ خریدے جسکو بیچی تھی بلکہ کسی تیسرے شخص سے خریدے تو اب بھی یہ خریدنا مطلقا جائز ہے، جیسا کہ سوال میں بھی یہی صورت پوچھی گئی ہے۔ (4) یونہی وہ چیز عیب دار ہونے کے سبب کم قیمت میں خریدی یا اب دوسری جنس کے ثمن سے یہ چیز واپس خریدی تو یہ بھی جائز ہے۔

سوال میں پوچھی گئی صورت کے متعلق فتاوی ہندیہ میں ہے: ولو باع المشتری من رجل ثم إن البائع الأول اشتراه من المشتری الثانی بأقل مما باع جاز یعنی اگر مشتری خریدی ہوئی چیز کسی کو بیچ دی اب بائع اول نے وہی چیز مشتری ثانی سے کم قیمت میں خریدی تو یہ جائز ہے۔ [الفتاوی الهندية، كتاب البيوع، الباب التاسع، الفصل العاشر، ۱۳۲/۳]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

07 جمادی الاول 1445ء 22 نومبر 2023ھ

الرضا قرآن وفقہ اکیڈمی آن لائن

چھوٹے بچے کا بغیر پوچھے گھر کی چیز بیچ دینا

سوال: مفتی صاحب، دس گیارہ سال کا بچہ ماں باپ کو بتائے بغیر گھر سے کوئی چیز سکول لے جائے، وہاں بچوں کو بیچ دے اور اس کے بدلے پیسے لے آئے تو اس کا کیا حکم ہو گا؟ وہ چیز والدین کی ملکیت تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

جواب سے قبل تمہیداً چند باتوں کا جاننا ضروری ہے:

1 اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز بغیر اسکی اجازت کے بیچ دے تو اس عقد کو فقہی اصطلاح میں بیع فضولی کہتے ہیں۔

2 بیع فضولی، اصل مالک کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے، اگر وہ اسے جائز کر دے تو نافذ ہو گی ورنہ نہیں، البتہ یہ اجازت قول و فعل دونوں طرح ہو سکتی ہے مثلاً اصل مالک کہے میں نے جائز کیا یا پھر وہ ثمن وصول کر لے۔

3 نابالغ سمجھدار بچے کی بیع ولی (سرپرست) کی اجازت پر موقوف ہے اگر وہ جائز کر دے تو نافذ ہو جائے گی۔

4 ایسا نابالغ جو بیع کی سمجھ بوجھ ہی نہیں رکھتا، اسکی بیع اصلا درست ہی نہیں بلکہ باطل ہے۔

(کنز الدقائق، البحر الرائق، دُر مختار، ردالمحتار، بہار شریعت وغیرہ عامہ کُتب فقہ)

حل طلب صورت میں چونکہ بچہ نابالغ بھی ہے اور چیز بھی اسکی ملکیت میں نہیں لہذا اس بیع کے نافذ ہونے کے لیے سرپرست (والد) کی اجازت کے ساتھ ساتھ چیز کے اصل مالک (والد، والدہ، بہن، بھائی وغیرہ) کی اجازت پائی گئی تو بیع نافذ ہو گی مثلاً والد، والدہ وغیرہ اصل مالک اُسے کہہ دے کہ تو نے درست کیا یا وہ بغیر انکار کیے پیسے وصول کر لے۔

یہ یاد رہے کہ عموماً سکول جانے والا گیارہ سال کا بچہ بیع کی سمجھ بوجھ رکھتا ہے، اس لیے اس کی بیع سرپرست و مالک کی اجازت پر موقوف ہو گی، لیکن اگر مذکورہ بچہ بیع کی سمجھ بوجھ ہی نہیں رکھتا مثلاً بے وقوف ہے تو اس صورت میں یہ بیع موقوف یا نافذ نہ ہو گی بلکہ سرے سے باطل ہو گی۔

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

02 جمادی الثانی 1445ھ 16 دسمبر 2023ء

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، میر اروز شہر جانا ہوتا ہے، اگر کوئی مجھ سے سامان منگوائے جسکی اصل قیمت بھی پتہ ہو، لیکن میں تعلق کی بنا پر اس سامان پر رعایت لے لوں، تو کیا میں منگوانے والے کو اصل قیمت پر دے کر منافع رکھ سکتا ہوں کیوں کہ اگر وہ خود لیتا تو یہ چیز اسکو اصل قیمت پر ہی ملتی؟ (سائل: ہاشم زادہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسؤلہ میں آپ، سامان منگوانے والے کی طرف سے خریداری کے وکیل ہیں، خریدی گئی چیز آپکو جتنے کی پڑے گی، آپ اتنے ہی پیسے لینے کے حقدار ہیں، زیادہ نہیں اگرچہ چیز آپکو سستی ملے، البتہ اگر آپ پہلے سے چیز منگوانے والے کے ساتھ معلوم اُجرت طے کر لیں کہ میں چیز خرید کر لانے کے مثلا 200 روپے اپنا کمیشن لوں گا، اب آپ اپنی اُجرت لے سکتے ہیں۔

المبسوط للسرخسی میں ہے: ولوحط البائع شيئا من الثمن عن الوكيل؛ ثبت ذلك للآمر یعنی اگر بائع نے وکیل کو ثمن میں سے کچھ کم کر دیا تو یہ کمی حکم دینے والے (مؤکل) کے لیے ہوگی۔

[المبسوط للسرخسی، کتاب الوکالۃ، باب من الوکالۃ بالبیع والشراء، ۱۹/۶۰]

فتاوی ہندیہ میں ہے: وإن حط البائع عن الوكيل بعض الثمن فإنه يحطه عن الموكل یعنی اگر بائع نے وکیل کو ثمن سے کچھ کم کر دیا تو یہ کمی مؤکل کے لیے ہوگی۔ [الفتاوی الھندیۃ، کتاب الوکالۃ، الباب الثانی فی التوکیل بالشراء، ۳/۵۸۸]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

14 جمادی الاول 1445ھ 29 نومبر 2023ء

وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

آن لائن

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی

سوال: مفتی صاحب، ایک شخص نے دکان 5 ہزار ماہانہ کرائے پر لے کر اس دکان میں 2 لاکھ کی فیٹنگ کروائی، اب وہی دکان 15000 ماہانہ کرائے پر دے دے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ (سائل: سائرہ عباسی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

سوال میں پوچھی گئی صورت جائز ہے کیونکہ کرائے کی دُوکان میں جب کرایہ دار اپنی طرف سے کوئی تعمیراتی کام کرائے مثلاً ماربل، پلستر، الماریاں وغیرہ، تو پھر آگے مزید مہنگے کرائے پر دینا جائز ہے۔

البحر الرائق میں جوہرۃ کے حوالے سے ہے: وفي الجوهرة المستأجر إذا أجر بأكثر مما استأجر تصدق بالفضل إلا إذا أصلح فيها شيئا أو أجرها بخلاف جنس ما استأجر یعنی جوہرۃ میں ہے، کرایہ دار نے جتنے کرایہ پر چیز لی اس سے زائد آگے کرایہ پر دی تو یہ اضافہ صدقہ کردے، مگر یہ کہ اس (مکان، دکان وغیرہ) میں کچھ درستگی وغیرہ کرے یا جس کرایہ پر اس نے لی تھی اس کے خلاف کسی دوسری جنس پر آگے دے (تو اب اضافہ جائز ہے)

[البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الإجارة، باب مایجوز من الإجارة، ۷/۳۰۴]

بہارِ شریعت میں ہے: مستاجر نے مکان یا دکان کو کرایہ پر دے دیا، اگر اتنے ہی کرایہ پر دیا ہے جتنے میں خود لیا تھا یا کم پر جب تو خیر اور زائد پر دیا ہے تو جو کچھ زیادہ ہے اسے صدقہ کردے ہاں اگر مکان میں اصلاح کی ہو اسے ٹھیک ٹھاک کیا ہو تو زائد کا صدقہ کرنا ضرور نہیں یا کرایہ کی جنس بدل گئی مثلاً لیا تھا روپے پر دیا ہو اشرفی پر، اب بھی زیادتی جائز ہے۔ جھاڑو دے کر مکان کو صاف کرلینا یہ اصلاح نہیں ہے کہ زیادہ والی رقم جائز ہو جائے، اصلاح سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا کام کرے جو عمارت کے ساتھ قائم ہو مثلاً پلاستر کرایا یا مونڈیر بنوائی۔ [بہارِ شریعت، اجارہ کا بیان، ج 3، حصہ 14، مکتبۃ المدینۃ]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

29 جمادی الاول 1445ء 14 دسمبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

گاڑی وسکول والوں کا بچوں سے چھٹیوں کا کرایہ و فیس لینا

سوال: مفتی صاحب، ہم بچوں کو سکول لے جانے کیلئے رکشہ یا گاڑی لگواتے ہیں، اب ہم پورے مہینے کے پیسے دیتے ہیں جبکہ بیچ میں بچے چھٹیاں بھی کرتے ہیں، نیز جب گرمیوں کی چھٹیاں ہوتی ہیں تو پھر بھی گاڑی والے پورے پیسے مانگتے ہیں، اور سکول وٹیوشن والے بھی ایسے ہی پوری فیس لیتے ہیں کیا انکا یوں بغیر محنت کے پیسے لینا جائز ہے؟ (سائل: محمد شاہ زین)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

رکشہ یا گاڑی والا اگر چھٹی نہیں کرتا، بلکہ آپ خود اپنے بچے کو چھٹی کراتے ہیں تو اس صورت میں وہ اجرت کا حقدار ہے، نیز طے شدہ چھٹیاں جیسے اتوار، بارہ ربیع الاول اور سردی گرمی کی چھٹیاں تو انکے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ اگر ان چھٹیوں کا کرایہ و فیس بھی پہلے سے طے ہو یا اُس علاقے میں یہ کرایہ و فیس لینے کا بھی رواج ہو تو ان دنوں کا کرایہ و فیس لینا بھی درست ہے ورنہ نہیں۔

علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمۃ شرح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں: المعروف عرفا کالمشروط شرطا والعادۃ محکمۃ یعنی جو چیز عرفا معروف و معلوم ہو ایسے ہی ہے جیسے اسے شرط قرار دیا گیا ہے اور عادت (حکم شرعی کی) بنیاد ہے.

[البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الوکالۃ، التوکیل بایفاء جمیع الحقوق، 150/7]

المحیط البرہانی میں ہے: قال الفقیہ أبو اللیث رحمہ اللہ: ومن یأخذ الأجرۃ من طلبۃ العلم فی یوم لا درس فیہ أرجو أن یکون جائزا. یعنی فقیہ ابو اللیث علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جو چھٹی والے دن کی فیس بچوں سے لیتا ہے میں امید کرتا ہوں کہ یہ جائز ہو۔

[المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی کتاب الوقف، الباب الثامن عشر، 6/190]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

21 جمادی الاول 1445ھ 06 دسمبر 2023ء

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ　　وعلیٰ آلک واصحابک یاحبیب اللہ

آن لائن الرضا قرآن وفقہ اکیڈمی

سوال: مفتی صاحب، ٹیچر اگر سکول میں 9:30 پر پہنچے اور رجسٹر پر حاضری 8:00 بجے کی لگائے، اسی طرح سکول کے اوقات میں جنازے اور فاتحہ خوانیاں یا نجی کام کی بنیاد پر روزانہ نکل جائے کبھی گھنٹے کے لیے اور کبھی زیادہ وقت کے لیے پھر جاتے ہوئے رجسٹر پر حاضری بھی پوری لگائے تو ایسی صورت میں کیا حکم شرع ہو گا اور ہیڈ ماسٹر کیا کرے؟ (سائل: احمد وقاص)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

کم وقت دے کر پورے وقت کی حاضری لگانا ناجائز و حرام ہے، اور ایسا کرنے والا شرعاً اتنے وقت کی اجرت کا حقدار نہیں، نیز دوران ڈیوٹی اپنا ذاتی کام کرنے کی اجرت بھی کاٹی جائے گی، کیونکہ مذکورہ ملازم اجیر خاص یعنی خاص وقت میں خاص ادارے کا ملازم ہے اور ایسے ملازم پر شرعاً لازم ہوتا ہے کہ وہ ادارے کے ساتھ کیے گئے معاہدے کے مطابق وقتِ اجارہ میں اچھے طریقے سے اپنا کام سرانجام دے، ورنہ گنہگار اور عذابِ نار کا حق دار ہو گا، نیز ہیڈ ماسٹر ایسے استاد کو تنبیہ کرے، اور باز نہ آنے پر متعلقہ ادارے کو آگاہ کرے۔

قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ترجمہ: اے ایمان والو! تمام عہد پورے کیا کرو۔

(القرآن، پارہ 6، سورۃ المائدہ، آیت نمبر1)

درمختار مع ردالمحتار میں ہے: (وليس للخاص أن يعمل لغيره ولو عمل نقص من اجرته بقدر ما عمل) بل ولا أن يصلي النافلة.... ولا يشتغل بشيء آخر سوى المكتوبة یعنی اجیر خاص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کا کام کرے، اور اگر کر لیا، تو کام کے مطابق اس کی تنخواہ میں سے کمی کی جائے گی، بلکہ یہ بھی درست نہیں کہ وہ نفل نماز پڑھے ... وہ فرض نماز کے علاوہ کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہو۔

(الدر المحتار و حاشية ابن عابدين، كتاب الإجارة، مبحث الأجير الخاص)

فتاوی رضویہ میں ہے: اگر تسلیم نفس میں کمی کرے مثلاً بلا رخصت چلا گیا یا رخصت سے زیادہ دن لگائے یا مدرسہ کا وقت چھ گھنٹے تھا، اس نے پانچ گھنٹے دیئے یا حاضر تو آیا، لیکن وقتِ مقرر خدمتِ مفوضہ کے سوا اور کسی اپنے ذاتی کام، اگرچہ نماز نفل یا دوسرے شخص کے کاموں میں صرف کیا کہ اس سے بھی تسلیم منتقض ہو گئی۔ یونہی اگر آتا اور خالی باتیں کرتا چلا جاتا ہے، طلبہ حاضر ہیں اور پڑھاتا نہیں کہ اگرچہ اجرت کام کی نہیں، تسلیم نفس کی ہے، مگر یہ منع نفس ہے، نہ کہ تسلیم، بہرحال جس قدر تسلیم نفس میں کمی کی ہے، اتنی تنخواہ وضع ہو گی۔

(فتاوی رضویہ، ج19، ص506، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

13 جمادی الاول 1445ھ 28 نومبر 2023ء

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

غیر مسلم کے ہاں نوکری کرنا اور چائے وغیرہ پینا

سوال: مفتی صاحب، کسی مسلمان کا غیر مسلم کے پاس نوکری کرنا اور انکی چائے وغیرہ پینا کیسا؟ (سائل: انس رضا انصاری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

کسی مسلمان کے لیے غیر مسلم کی ایسی نوکری کرنا جائز ہے جس میں مسلمان اور اسلام کی ذلت نہ ہو، نیز اُنکی طرف سے گوشت کے علاوہ، کھانے پینے کی دیگر اشیاء چائے بسکٹ وغیرہ کھانا پینا بھی جائز ہے، لیکن بچنا بہتر ہے۔

المحیط البرہانی میں ہے: **ویکرہ للمسلم أن یؤاجر نفسه من الکافر للخدمة، ویجوز إذا فعل.... وفی فتاوی الفضلی: لا تجوز إجارة المسلم نفسه من النصرانی للخدمة، وفیما سوی الخدمة یجوز والأجیر فی سعة من ذلك ما لم یکن فی ذلك إذلال.** یعنی مسلمان کا کسی کافر کی خدمت کے لیے اجارہ کرنا مکروہ ہے، اور (فی نفسہ یہ) اجارہ جائز ہے.... اور فتاوی فضلی میں ہے: مسلمان کا کسی نصرانی کی خدمت کی نوکری کرنا جائز نہیں، اور خدمت کے علاوہ میں اجارہ کرنا جائز ہے، اور اجیر کے لیے اس معاملے میں گنجائش ہے جبکہ اس میں کسی قسم کی ذلت نہ ہو۔ [المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، کتاب الإجارات، الفصل الحادی عشر، ۷/۴۵۴]

المحیط البرہانی وغیرہ دیگر کُتب فقہ میں ہے: **ولا بأس بطعام المجوس کله إلا الذبیحة، فإن ذبیحتهم حرام** یعنی ذبیحہ کے علاوہ مجوسیوں کے تمام کھانے کھانا جائز ہے، اُنکا ذبیحہ حرام ہے۔

[المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، کتاب الإستحسان و الکراهیة، الفصل السادس عشر، ۵/۳۶۲]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

02 ربیع الثانی 1445ء 18 اکتوبر 2023ھ

وعلیٰ آلک واصحابک یاحبیب اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

غیر مسلم کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا کھانا

سوال: مفتی صاحب، غیر مسلم کے ہاتھ کا بنایا ہوا کھانا کھانا کیسا؟ (سائل: نصیر احمد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

گوشت کے علاوہ دیگر حلال کھانے جو غیر مسلموں کے ہاتھ کے بنے ہوں، کھانا جائز ہے، اور گوشت بھی اگر ذبح کے وقت سے لیکر پکوائی تک، مسلمان کی نگاہ کے سامنے ہو تو کھانا جائز ہے۔ البتہ غیر مسلموں کے کھانوں سے بچنا بہتر ہے۔

المحیط البرہانی وغیرہ دیگر کُتب فقہ میں ہے: ولا بأس بطعام المجوس کله إلا الذبیحة، فإن ذبیحتهم حرام یعنی ذبیحہ کے علاوہ مجوسیوں کے تمام کھانے کھانا جائز ہے، اُنکا ذبیحہ حرام ہے۔

[المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، کتاب الإستحسان و الکراھیۃ، الفصل السادس عشر، ۳۶۲/۵]

فتاوی رضویہ شریف میں ہے: ان (مشرک، ہندو) کا پکایا ہوا یا ہدیہ دیا ہوا گوشت تو حرام ہے جب تک اپنے سامنے جانور ذبح ہو کر بغیر نگاہ سے غائب ہوئے سامنے نہ پکا ہو اور اس کے سوا پکائی ہوئی چیزیں اور بازار کی مٹھائی دودھ دہی گھی ملائی سب کا ایک حکم ہے کہ فتوی جواز اور تقوی احتراز۔

(فتاوی رضویہ، ج 21 ص 626، رضا فاؤنڈیشن)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

12 ربیع الاول 1445ء 29 ستمبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

غیر مسلم کے ہوٹل پر یا اُسکے ہاتھ کی پکائی ہوئی مچھلی کھانا

سوال: مفتی صاحب، کیا غیر مسلم کے ہوٹل پر یا اسکے ہاتھ کی پکائی ہوئی مچھلی کھا سکتے ہیں؟ (سائل: گلفراز)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

غیر مسلم کے ہوٹل پر یا اسکے ہاتھ کی بنی ہوئی مچھلی کھانا جائز ہے، کیونکہ مچھلی میں ذبح کرنا شرط نہیں، تو گوشت کے علاوہ دیگر اشیاء کی طرح انکے ہاتھوں کی مچھلی بھی کھا سکتے ہیں، البتہ بچنا بہتر ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **احلّت لنا ميتتان الميتتان، الحوت والجراد** یعنی ہمارے لئے دو مرے ہوئے جانور مچھلی اور ٹڈی حلال ہیں۔ [سنن ابن ماجه، کتاب الصید، باب صید الحیتان و الجراد]

ہدایہ شریف میں ہے: **ولا بأس بأكل الجريث والمارماهي وأنواع السمك والجراد بلا ذكاة** یعنی جریث مارماہی (مچھلی کی دو مختلف قسموں کے نام، مچھلی کی تمام اقسام اور ٹڈی بغیر ذبح کے کھا سکتے ہیں۔

[المرغینانی، الهداية فی شرح بداية المبتدی، کتاب الذبائح، ۳۵۳/۴]

فتاوی رضویہ میں اعلی حضرت علیہ الرحمۃ سے سوال ہوا کہ جس شخص کے ہاتھ کا ذبح ناجائز ہے جیسے کہ ہنود اس کے ہاتھ کی پکڑی مچھلی کھانا کیسا ہے؟ آپ علیہ الرحمۃ نے جواباً فرمایا: جائز ہے، اگرچہ اس کے ہاتھ میں مر گئی یا اس نے مار ڈالی ہو کہ مچھلی میں ذبح شرط نہیں جس میں مسلمان یا کتابی ہونا ضرور ہو۔ (فتاوی رضویہ، ج 20 ص 323، رضا فاؤنڈیشن)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

19 ربیع الاول 1445ء 06 اکتوبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

غیر مسلم فوج میں شامل مسلم فوجی، وطن کی خاطر مر جائے تو شہید؟

سوال: مفتی صاحب، انڈیا کا مسلمان فوجی کسی بھی مسلم وطن سے لڑتے ہوئے مر جائے تو کیا وہ شہید کہلائے گا؟ (سائل: ایان علی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

محض اپنی قوم یا وطن کی خاطر لڑتے ہوئے مر جانے والے کو شہید نہیں کہتے، بلکہ راہ خدا میں دین اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی جان قربان کرنے والے کو شہید کہتے ہیں، چنانچہ صحیح مسلم شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: **ومن قاتل تحت راية عمية يغضب لعصبة، أو يدعو إلى عصبة، أو ينصر عصبة، فقتل، فقتلة جاهلية** یعنی یعنی جس نے اندھا دھند جھنڈے کے نیچے جنگ کی کہ غصہ کرتا ہے تعصب کی بنا پر یا غصہ کرتا ہے تعصب کی طرف یا مدد دیتا ہے عصبیت کی بنا پر پھر وہ مارا گیا تو اس کی موت جاہلیت کی ہے۔

[صحیح مسلم، کتاب الإمارة، حدیث نمبر1848، 3/1476]

اس روایت کے تحت مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے: اس سے مراد وہ بلوہ یا جنگ ہے جس کی وجہ معلوم نہ ہو، کوئی شخص صرف اپنی قوم اپنے دھڑے کی حمایت میں مسلمانوں کے دوسرے دھڑے سے لڑے جیسا کہ آج کل عام دیہاتی پارٹیوں میں دیکھا جاتا ہے.....یعنی حق و باطل کی تمیز کیے بغیر خود بھی اس اندھادھند لڑائی میں شریک ہو جاتا ہے اور اپنے دھڑے کے دوسرے آدمیوں کو بھی بلا کر جنگ میں شریک کرتا ہے۔ (مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد:5 حدیث نمبر:3669)

فتاوی بحر العلوم میں سوال ہوا کہ ہند و پاک میں جنگ ہو اور یہاں کا مسلمان جنگ میں مارا جائے تو اسے شہادت کا درجہ ملے گا یا نہیں؟ جوابا مفتی صاحب نے فرمایا: شہید اس کو کہتے ہیں، جو اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر جہاد کرتے ہوئے مارا گیا ہو، دنیاوی لڑائی میں اس کا سوال ہی بے محل ہے۔ (فتاوی بحر العلوم، کتاب السیر، جلد 4، صفحہ 127)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

06 جمادی الثانی 1445ء 20 دسمبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

درود پاک کی جگہ PBHU لکھنا

سوال: مفتی صاحب، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ PBUH لکھنا کیسا؟ (سائل: مہر رضوان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

دورانِ تحریر، حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ذکر مبارک کے ساتھ ہر مرتبہ پورا درود لکھنا چاہیے، اسکی جگہ فقط ص، صلعم یا PBUH لکھنا مکروہ وسخت ناپسندیدہ عمل ہے، لہذا ایسا کرنے سے بچنا چاہیے۔

شارح مسلم، امام یحیی بن شرف نووی التقریب والتیسیر میں فرماتے ہیں: وينبغي أن يحافظ على كتابة الصلاة والتسليم على رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا يسأم من تكراره، ومن أغفله حرم حظا عظيما.....ويكره الاقتصار على الصلاة أو التسليم والرمز إليهما في الكتابة، بل يكتبهما بكمالهما. یعنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات پر درود وسلام لکھنے پر محافظت کرنی چاہیے، اور بار بار یہ لکھنے سے نہ اکتائے، اور جو یہ لکھنے سے غافل رہا بہت بڑے حصے سے محروم رہا..... اور فقط درود یا سلام پر اکتفاء کرنا اور کتابت میں ان دو دونوں کی طرف اشارہ کرنا مکروہ ہے، بلکہ کاتب کو چاہیے کہ درود وسلام کو مکمل لکھے۔

[النووي، التقريب والتيسير للنووي، النوع الخامس والعشرون كتابة الحديث وضبطه، صفحة ٦٨]

امام شمس الدین سخاوی علیہ الرحمتہ فتح المغیث میں کاتب حضرات کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (واجتنب) أيها الكاتب (الرمز لها) أي: للصلاة على رسول الله صلى الله عليه وسلم في خطك، بأن تقتصر منها على حرفين ونحو ذلك، فتكون منقوصة صورة، كما يفعله الكسائي والجهلة من أبناء العجم غالبا وعوام الطلبة، فيكتبون بدلا عن صلى الله عليه وسلم: ص، أو صم، أو صلم، أو صلعم یعنی اے کاتب اپنی تحریر میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات پر درود پاک کے لیے اشارہ کرنے سے باز آ جا، اسطرح کے تو فقط دو حرف لکھ دے جس سے درود کی صورت نامکمل ہو جیسے کسائی، اکثر عجمی جہلاء اور عام طلباء کرتے ہیں کہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ ص یا صم یا صلم یا صلعم لکھتے ہیں۔ [فتح المغيث بشرح ألفية الحديث، كتابة الحديث وضبطه، الحث على كتبة ثناء الله.... 3/72]

فتاوی رضویہ میں ہے: یہ جہالت آج کل بہت جلد بازوں میں رائج ہے، کوئی صلعم لکھتا ہے، کوئی عم، کوئی ص اور یہ سب بیہودہ مکروہ و سخت ناپسند و موجب محرومی شدید ہے، اس سے بہت سخت احتراز چاہئے..... ہر گز ہر گز کہیں صلعم وغیرہ نہ ہو، علماء نے اس سے سخت ممانعت فرمائی ہے، یہاں تک کہ بعض کتابوں میں تو بہت اشد حکم لکھ دیا ہے۔ (فتاوی رضویہ، جلد 6، صفحہ 221، رضا فاؤنڈیشن)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

10 جمادی الاول 1445ء 25 نومبر 2023ھ

آن لائن
الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی

نابالغ بچوں کا بے وضو قرآن کو چھونا اور نماز پڑھنا

سوال: مفتی صاحب، چار پانچ سال کی بچی کا بغیر وضو نماز پڑھنا اور قرآن پڑھنا کیسا جبکہ بچی کو قرآن نماز پڑھنا جانتی ہے؟
(سائل: قاری فرمان، حافظ شعیب احمد قریشی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

بچوں کو بھی وضو کرنا سکھایا جائے، اور انہیں باوضو قرآن کی تلاوت و نماز پڑھنے کی ترغیب دلائی جائے، البتہ وضو کے معاملے میں اُن پر سختی نہ کی جائے اگر وہ بے وضو ہی قرآن اُٹھا کر پڑھتے ہیں یا نماز پڑھتے ہیں تو اُنہیں پڑھنے دیا جائے، ایسا کرنے سے وہ گنہگار نہیں ہوتے اور سرپرست یا قاری صاحب بھی گنہگار نہیں ہوں گے، کیونکہ نابالغ بچے وضو کے مکلف ہی نہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: **كان ابن عباس، يقول: أيقظوا الصبي يصلي ولو سجدة** یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اپنے بچوں کو نماز کے لیے جگاؤ اگرچہ وہ ایک ہی سجدہ کرلیں۔ [مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الصبي بالصلاة]

ایک اور روایت میں ہے: **كان علي بن الحسين، يأمر الصبيان أن يصلوا الظهر والعصر جميعا، والمغرب والعشاء جميعا، فيقال: يصلون الصلاة لغير وقتها، فيقول: هذا خير من أن يناموا عنها** یعنی حضرت علی بن حسین بچوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ ظہر و عصر اور مغرب وعشاء کو ملا کر پڑھیں، حضرت علی سے کہا جاتا یہ بچے وقت کے علاوہ نماز پڑھتے ہیں، اس پر آپ فرماتے: یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ سوئے رہیں۔ [مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الصبي بالصلاة، ۱/۳۰۵]

تنویر الابصار در مختار مع ردالمحتار میں ہے: **(ولا يكره (مس صبي لمصحف ولوح) ولا بأس بدفعه إليه وطلبه منه للضرورة إذ الحفظ في الصغر كالنقش في الحجر... أن الصبي غير مكلف... لأن في تكليف الصبيان وأمرهم بالوضوء حرجا بهم، وفي تأخيره إلى البلوغ تقليل حفظ القرآن** یعنی چھوٹے بچے کا قرآن پاک یا تختی کو چھونا مکروہ نہیں ہے، اسی طرح ضرورت کے پیشِ نظر انکو دینے اور ان سے اسکا مطالبہ کرنے میں بھی حرج نہیں کیونکہ بچپن میں حفظ ایسے ہی ہے جیسے پتھر پر کوئی چیز نقش ہو جائے... چھوٹا بچہ (وضو کا) مکلف ہی نہیں... اس وجہ سے کہ بچوں کو اسکا مکلف بنانے اور وضو کا حکم دینے میں انکو حرج میں ڈالنا ہے، اور بلوغ تک انتظار کرنے میں قرآن پاک کو حفظ کرنے میں کمی ہوگی۔ [الدر المختار وحاشية ابن عابدين، كتاب الطهارة، سنن الغسل، ۱/۱۷۴]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

11 جمادی الثانی 1445ھ 25 دسمبر 2023ء

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، سکول، مدرسے میں بچوں سے پیسے جمع کر کے میلاد کرنا کیسا؟ (سائل: فاروق رضا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

نابالغ اپنا مال صدقہ کرنے کا اہل نہیں لہذا سکول، مدرسہ یا مسجد کہیں بھی نابالغ بچوں سے انکے پیسے لیکر محفلِ میلاد یا کوئی بھی محفل، پارٹی وغیرہ کرنا جائز نہیں البتہ اگر بچوں کو والدین بھائی وغیرہ پیسے اسلیے دیں کے اپنے سکول، مدرسے میں محفلِ میلاد کے لیے دے دینا تو اب یہ پیسے ان سے لے کر محفل کے چندے میں شامل کر سکتے ہیں، نیز بالغ بچوں سے اُنکی رضا مندی کے ساتھ چندہ لے سکتے ہیں۔

تنویر الابصار، در مختار مع رد المحتار میں ہے : وتصرف الصبي والمعتوه...إن كان نافعا كالإسلام والاتهاب صح بلا إذن وإن ضارا كالطلاق والعتاق والصدقة والقرض لا وإن أذن به وليهما... أي ضررا دنيويا، وإن كان فيه نفع أخروي كالصدقة والقرض. یعنی بچے پاگل کا تصرف اگر اسکے لیے نفع مند ہو تو بغیر اجازت کے بھی صحیح ہے جیسے اسلام لانا، تحفہ قبول کرنا، اور اگر وہ تصرف نقصان دہ ہو جیسے طلاق، عتاق، صدقہ اور قرض وغیرہ تو یہ تصرف درست نہیں اگرچہ انکا ولی اجازت بھی دے دے.. نقصان دہ سے مراد دنیوی اعتبار سے نقصان دہ ہے اگرچہ اس میں اخروی اعتبار سے فائدہ ہو جیسے صدقہ قرض۔

[الدر المختار وحاشية ابن عابدين، كتاب المأذون]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

07 جمادی الاول 1445ء 22 نومبر 2023ھ

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

نابالغ بچوں کا تحفہ قبول کرنا

سوال: مفتی صاحب، چھوٹے بچوں کا تحفہ قبول کرنا کیسا؟ (سائل: اعجاز احمد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

نابالغ تحفہ دینے کا اہل نہیں، لہذا اسکا دیا ہوا تحفہ لینا جائز نہیں، البتہ اگر اسکو کوئی اور شخص مثلا والدین، بہن، بھائی پیسے یا کوئی بھی چیز اس لیے دیں کے فلاں کو تحفہ یا انعام دے دو تو اب یہ چیز نابالغ سے لے سکتے ہیں جیسے محفل وغیرہ میں عموما چھوٹے بچوں کو پیسے دیے جاتے ہیں جا کر خطیب صاحب یا نعت خوان کو دے دو۔

بدائع الصنائع میں ہے: فلا تجوز هبة الصبی والمجنون لأنهما لا يملكان التبرع لكونه ضررا محضا لا يقابله نفع دنیوی یعنی بچے اور پاگل کا تحفہ جائز نہیں، کیونکہ یہ دونوں تبرع کے مالک نہیں کہ اس میں انکا ایسا نقصان ہے جسکے مقابل دنیوی نفع نہیں۔ [بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الهبة، فصل فی شرائط رکن الهبة]

تنویر الابصار مع دُر مختار میں ہے: (وشرائط صحتها فی الواهب العقل والبلوغ...) فلا تصح هبة صغير یعنی ہبہ کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے کہ ہبہ کرنے والا عاقل بالغ ہو... پس چھوٹے بچے کا ہبہ صحیح نہیں۔

[الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار)، كتاب الهبة، ٥/٦٨٧]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

05 جمادی الاول 1445ء 20 نومبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

بغیر دعوت، کسی تقریب کے کھانے میں شرکت

سوال: مفتی صاحب، بغیر دعوت ملے کسی کی شادی میں جا کر کھانا کھانا کیسا ہے، کھانے کے بعد دولہے کو کچھ رقم بطور تحفہ دے دیں تو کیا یہ درست عمل ہے؟ (سائل: بلال راٹھور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

بغیر دعوت کے کسی کی شادی میں یا کسی بھی قسم کی تقریب میں کھانا کھانا جائز نہیں جبکہ دعوت خاص خاص افراد کو ہو جیسا کہ ہمارے ہاں عموما شادیوں وغیرہ پر قریبی رشتہ داروں، دوستوں یا پڑوسیوں کو دعوت ہوتی ہے، البتہ اگر عمومی دعوت ہو جیسے بعد علاقوں میں خاص افراد کو دعوت دینے کے ساتھ ساتھ عمومی اعلان بھی کیا جاتا ہے تو اب شرکت کرنے میں حرج نہیں، اگرچہ خصوصی دعوت نہ ملی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من دعی فلم یجب فقد عصی اللہ و رسوله، ومن دخل علی غیر دعوة دخل سارقا وخرج مغیرا** یعنی جس کو دعوت دی گئی اور اس نے قبول نہ کی اس نے اللہ و رسول (عزوجل وصلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم) کی نافرمانی کی اور جو بغیر بلائے گیا وہ چور ہو کر گھسا اور غارت گری کر کے نکلا۔

[السجستانی، أبو داود، سنن أبی داود، کتاب الأطعمة، باب ما جاء فی إجابة الدعوة، ۳/۳۴۱]

فتاوی رضویہ میں ہے: بلا دعوت جو دعوت میں جائے اسے صحیح حدیث میں فرمایا: دخل سارقا وخرج مغیرا یعنی چور بن کر گیا اور لٹیرا ہو کر نکلا۔ خصوصا جبکہ دعوت عام نہ ہو تو معہود و معروف سے زائد آدمی لے جانا سخت ناجائز ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد 21، صفحہ 653، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

09 جمادی الثانی 1445ء 23 دسمبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

زندگی میں ہی اپنے لیے کفن خرید کر رکھنا

سوال: مفتی صاحب، اپنے لیے کفن پہلے سے ہی خرید کر رکھنا کیسا؟ (سائل: حافظ ذوالفقار علی چشتی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

زندگی میں اپنے لیے کفن خرید کر رکھ لینا یا تیار کروانا جائز ہے، بلکہ کسی متبرک کپڑے کو اپنے لیے کفن طور پر رکھ لینا اچھا عمل اور حدیث پاک سے ثابت ہے، البتہ یہ یاد رہے کہ میلا یا بہت پرانا ہونے کی صورت میں اس کفن کو دھولینا یا نئے سے بدلنا بہتر ہے، کیونکہ میت کو صاف ستھرا اجلا کفن پہنانا بھی شریعت کو مطلوب ہے، کہ اس میں میت کے زیادہ تعظیم ہے۔

بخاری شریف، ابن ماجہ و دیگر کتب احادیث میں یہ روایت موجود ہے کہ ایک صحابی رسول نے حضور علیہ السلام سے آپ علیہ السلام کی چادر مانگی، پھر وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: **إني والله، ما سألته لألبسه، إنما سألته لتكون كفني، قال سهل: فكانت كفنه** یعنی خدا کی قسم یہ چادر میں نے پہننے کے لیے نہیں مانگی، بلکہ اس لیے مانگی ہے کہ میں اس مبارک چادر کو اپنا کفن بناؤں، حضرتِ سہل رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ وہ مبارک چادر اُن کا کفن بنی۔ [صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب من استعد الکفن..]

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے: **قال البرهان الحلبي والذي ينبغي أنه لا يكره تهيئة نحو الكفن لأن الحاجة إليه تتحقق غالبا بخلاف القبر** یعنی علامہ برہان حلبی نے فرمایا: وہ افعال جنہیں مکروہ نہیں ہونا چاہیے، اُن میں سے ایک زندگی میں کفن تیار کر لینا بھی ہے کیونکہ اِس کی حاجت پڑنا تقریباً یقینی ہوتا ہے، برخلاف قبر کے۔

[حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلاۃ، فصل فی حملها و دفنها، صفحة ۶۱۲]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

03 ربیع الثانی 1445ء 19 اکتوبر 2023ھ

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

قرض نکلوانے کے لیے جھوٹ بولنا

سوال: مفتی صاحب، اپنا قرض وصول کرنے کے لیے جھوٹ بولنے کا کیا حکم ہے؟ (سائل : شیر علی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

جھوٹ بولنا ناجائز و حرام، جہنم میں لے جانے والا کام ہے، خصوصا جب سچ بول کر قرض نکلوایا جا سکتا ہو تو جھوٹ بولنے کی ہر گز اجازت نہیں، اور اگر کوئی ضرورت ہو تو خاص وہ ضرورت بیان کر کے شرعی حکم پوچھا جائے۔

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: إياكم والكذب، فإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، وما يزال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عند الله كذابا یعنی جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فجور جہنم کا راستہ دکھاتا ہے اور آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا ہے، یہاں تک کہ اللہ (عزوجل) کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔ [صحیح مسلم، باب قبح الکذب وحسن الصدق، ۴/۲۰۱۳]

ردالمحتار میں ہے: أن كل مقصود محمود يمكن التوصل إليه بالصدق والكذب جميعا، فالكذب فيه حرام، وإن أمكن التوصل إليه بالكذب وحده فمباح إن أبيح تحصيل ذلك المقصود، وواجب إن وجب تحصيله. یعنی جو اچھا مقصد سچ اور جھوٹ دونوں بول کر حاصل ہو سکتا ہو، اس میں جھوٹ حرام ہے اور اگر صرف جھوٹ ہی سے حاصل ہو سکتا ہو تو مباح کے حصول میں جھوٹ مباح ہے اور واجب کے حصول میں جھوٹ بھی واجب ہے۔

[الدر المختار وحاشية ابن عابدین (رد المحتار) کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ۶/۴۲۷]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

15 ربیع الثانی 1445ھ 31 اکتوبر 2023ء

سوال: مفتی صاحب، اپنامال چوری ڈکیتی سے بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے؟ (سائل: بلال عاصی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

جھوٹ بولنا ناجائز و حرام ہے لہذا مطلقاً جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں، البتہ اگر واقعی جھوٹ بولے بغیر کسی ظالم و جابر، چور یا ڈاکو سے اپنا مال بچانے کی کوئی تدبیر نہ ہو اور وہ مال بھی اتنا ہو کہ جسکا چلا جانا اس شخص کے لیے مشقت کا باعث ہو گا تو جھوٹ بولنے کی اجازت ہے ورنہ محض سو دو سو روپے کی خاطر جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إياكم والكذب، فإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، وما يزال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عند الله كذابا یعنی جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فجور جہنم کا راستہ دکھاتا ہے اور آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا ہے، یہاں تک کہ اللہ (عزوجل) کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔ [صحیح مسلم، باب قبح الكذب وحسن الصدق، ۴/۲۰۱۳]

ردالمحتار میں ہے: أن كل مقصود محمود يمكن التوصل إليه بالصدق والكذب جميعا، فالكذب فيه حرام، وإن أمكن التوصل إليه بالكذب وحده فمباح إن أبيح تحصيل ذلك المقصود، وواجب إن وجب تحصيله. یعنی جو اچھا مقصد سچ اور جھوٹ دونوں بول کر حاصل ہو سکتا ہو، اس میں جھوٹ حرام ہے اور اگر صرف جھوٹ ہی سے حاصل ہو سکتا ہو تو مباح کے حصول میں جھوٹ مباح ہے اور واجب کے حصول میں جھوٹ بھی واجب ہے۔ [الدر المختار وحاشية ابن عابدين، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ۶/۴۲۷]

فتاوی رضویہ میں ہے: حتی الوسع احتیاط اس سے اجتناب میں ہے اور شاید قول فیصل یہ ہو کہ اس ظلم کی شدت اور کذب کی مصیبت کو عقل سلیم و دین قویم کی میزان میں تولے جدھر کا پلہ غالب پائے اس سے احتراز کرے مثلاً اس کا ذریعہ رزق تمام و کمال کسی ظالم نے چھین لیا اب اگر نہ لے تو یہ اور اس کے اہل و عیال سب فاقے مریں، اور وہ بے کذب صریح نہیں مل سکتا تو اس ناقابل برداشت ظلم اشد کے دفع کو امید ہے کہ غلط بات کہہ دینے کی اجازت ہو اور اگر کسی مالدار شخص کے سَو دو سو روپے کسی نے دبالئے تو اس کے لئے صریح جھوٹ کی اجازت اسے نہ ہونی چاہئے کہ جھوٹ کا فساد زیادہ ہے اور اتنے ظلم کا تحمل اس مالدار پر ایسا گراں نہیں۔

(فتاوی رضویہ، جلد 24، صفحہ 353، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

13 جمادی الثانی 1445ء 27 دسمبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

مذاق مذاق میں جھوٹ بولنا
جھوٹی کہانیاں اور فرضی حکایات کا شرعی حکم

سوال: مفتی صاحب، اگر انسان مذاق مذاق میں کسی کو جھوٹی کہانی سنائے، پھر بعد میں معذرت بھی کر لے اور یہ بھی بول دے کہ سب جھوٹ تھا، تو کیا اس صورت میں بھی وہ شخص گنہگار ہو گا؟ (سائل: خلیل محمود)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

مذاق مذاق میں بھی لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز نہیں، ایسوں کے متعلق حدیث پاک میں سخت وعید آئی ہے، البتہ وعظ و نصیحت کے طور پر ایسی جھوٹی، فرضی حکایات جو اصلاحی پہلو پر مشتمل ہوں جیسے مولانا روم کی مثنوی، سننے سنانے میں حرج نہیں، یونہی تفریحا ایسی عجیب و غریب کہانیاں جنکا جھوٹا ہونا یقینی نہیں، سننا سنانا بھی باعثِ گناہ نہیں۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ویل للذی یحدث بالحدیث لیضحك به القوم فیکذب، ویل له ویل له. یعنی ہلاکت ہے اس کے لیے جو بات کرتا ہے اور لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، اس کے لیے ہلاکت ہے، اس کے لیے ہلاکت ہے۔ [سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء من تکلم بالکلمة لیضحك الناس، ۴/۵۵۷]

در مختار مع رد المحتار میں ہے: (حل سماع الأعاجیب والغرائب من کل ما لا یتیقن کذبه بقصد الفرجة لا الحجة بل وما یتیقن کذبه لکن بقصد ضرب الأمثال والمواعظ وتعلیم نحو الشجاعة علی ألسنة آدمیین أو حیوانات..) وذلك کمقامات الحریری، فإن الظاهر أن الحکایات التی فیها عن الحارث بن همام والسروجی لا أصل لها..... کقولهم قال الحائط للوتد لم تخرقنی قال سل من یدقنی. یعنی ایسی عجیب و غریب باتیں سننا جائز ہے جنکا جھوٹ ہونا یقینی ہو، تفریح کے قصد سے نہ کہ بطور حجت، بلکہ وہ باتیں جو یقینی جھوٹی ہوں، ضرب المثل، وعظ و نصیحت اور تعلیم کے قصد سے یہ بھی جائز ہیں جیسے آدمیوں یا حیوانوں کی زبان پر بہادری وغیرہ کے قصے، اور مقامات حریری کی طرح کہ ظاہر ہے اس میں حارث بن ہمام و سروجی کے قصوں کی کوئی اصل نہیں.... جیسے لوگوں کا یہ قول کہ دیوار نے میخ سے کہا، مجھے کیوں چیر رہی ہو، میخ بولی مجھے مارنے والے سے پوچھ لو۔ [الدر المختار و حاشیة ابن عابدین، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، ۶/۴۰۵]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ أعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

23 ربیع الثانی 1445ء 08 نومبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

جسم کے ایک حصے کے بال نکلوا کر دوسری جگہ لگوانا

سوال: مفتی صاحب، زید نے اپنے ہی سر کے بال ایک حصے سے اتار کر دوسری جگہ لگوائے، کیا یہ درست ہے؟

(سائل: محمد نعمان خان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

سرجری کے ذریعے اپنے سر پر انسانی بال لگوانا جائز نہیں، چاہے وہ انسانی بال اپنے ہوں یا کسی دوسرے آدمی کے، البتہ مصنوعی بال یا خنزیر کے علاوہ دیگر جانوروں کے بال لگوا سکتے ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم شریف میں ہے: **عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال: «لعن النبی صلی اللہ علیه وسلم الواصلة والمستوصلة، والواشمة والمستوشمة»** یعنی حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی حضور علیہ السلام نے فرمایا: اللہ لعنت کرے بال ملانے والی اور ملوانے والی پر اور گودنے والی اور گودانے والی پر۔ [صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب الموصلة]

فتاوی شامی، فتاوی ہندیہ، الاختیار لتعلیل المختار وغیرہ دیگر متعدد کُتبِ فقہ میں ہے: **(ووصل الشعر بشعر الآدمی حرام) سواء کان شعرها أو شعر غیرها لقوله علیه الصلاة والسلام، لعن اللہ الواصلة والمستوصلة** آدمی کے بال کو دوسرے بالوں کے ساتھ جوڑنا حرام ہے، چاہے ملائے جانے والے بال اُس شخص کے اپنے ہوں یا دوسرے کے، حضور علیہ السلام کے اس فرمان مبارک کی وجہ سے کہ اللہ لعنت کرے بال ملانے والی اور ملوانے والی پر۔

[الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الکراهیة، فصل فی مسائل مختلفة، ۱۶۴/۴]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــہ

ابو الحسن محمد حق نواز مدنی

12 ربیع الاول 1445ھ 29 ستمبر 2023ء

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، کسی حیلے، بہانے، دھوکے سے پرندوں کا شکار کرنا کیسا مثلاً جال کے پاس ٹیپ وغیرہ میں پرندوں کی ریکارڈ شدہ آوازیں لگانا تاکہ آواز سن کر دوسرے پرندے قریب آئیں جنہیں شکار کیا جائے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

اگر شوقیہ طور پر نہ ہو تو کسی جائز مقصد مثلاً دوا، غذا و تجارت وغیرہ کے لیے شکار کرنا جائز ہے، اگرچہ کسی حیلے بہانے سے ہو، اور شکار کا حلال ہونا قرآن و حدیث اور صحابہ کرام کے فعل سے ثابت ہے۔

بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ متعدد کتب احادیث میں موجود ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **أنفجنا أرنبا بمر الظهران، فسعى أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم خلفها، فأدركتها فأخذتها، فأتيت بها أبا طلحة فذبحها بمروة، فبعث معي بفخذها أو بوركها إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فأكله**، یعنی ہم نے مر الظہران میں ایک خرگوش کو بھڑکایا، پھر اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیچھے بھاگے پکڑنے کی کوشش کی تو میں نے اسے پکڑ لیا پھر میں ابو طلحہ کے پاس لایا انہوں نے ذبح کیا اور میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی ران اور ورک (ران سے اُوپر والے حصے کا گوشت) بھیجی تو حضور علیہ السلام نے اسے تناول فرمایا۔ [الترمذی، سنن الترمذی ت شاکر، ابواب الاطعمة، ۲۵۱/۴]

فتاوی رضویہ میں ہے: شِکار اگر غِذا یا دَوا یا دَفعِ ایذا یا تجارت کی غرض سے ہو جائز ہے اور جو تفریح کے لئے ہو جس طرح آج کل رائج ہے اور اسی لئے اسے شکار کھیلنا کہتے اور کھیل سمجھتے ہیں۔۔ یہ مطلقاً حرام ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج20، ص343)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

12 ربیع الثانی 1445ء 28 اکتوبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

قرض خواہ معلوم نہ ہو تو قرض کا حکم

سوال: مفتی صاحب، کسی بندے کا قرض دینا ہو، اور اس بندے کا پتہ نہ ہو تو پھر کیا کیا جائے؟ (سائل: محمد اعجاز)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

پوچھی گئی صورت میں حتی الإمکان کوشش کر کے قرض خواہ کو تلاش کیا جائے اور قرض اس تک پہنچایا جائے، وہ نہ ملے تو اسکے ورثاء کی معلومات کر کے ان تک پہنچایا جائے، وہ بھی نہ ملیں اور ملنے کی اُمید بھی نہ ہو تو اب یہ قرض، قرض خواہ کی طرف سے صدقہ کر دیں، لیکن صدقہ کرنے کے بعد اگر وہ مل گیا تو وہ اپنا قرض لے سکتا ہے۔

تنویر الأبصار، درمختار مع رد المحتار میں ہے: (عليه ديون ومظالم جهل أربابها وأيس) من عليه ذلك (من معرفتهم فعليه التصدق بقدرها من ماله وإن استغرقت جميع ماله).... (و) متى فعل ذلك (سقط عنه المطالبة) من أصحاب الديون (في العقبى) (وفي ردالمحتار) يشمل ورثتهم، فلوعلمهم لزمه الدفع إليهم؛ لأن الدين صار حقهم. یعنی کسی پر قرض اور مظالم ہیں جن کے مالکوں کا پتہ نہیں اور وہ مقروض ان مالکوں کی معرفت سے نا امید ہو چکا ہے تو اس پر ان قرضوں کے برابر اپنے مال سے صدقہ کرنا ضروری ہے اگرچہ اس کا سارا مال اس میں ختم ہو جائے.... اور جب اس نے ایسا کر دیا یعنی صدقہ کر دیا تو آخرت میں اصحاب دیون کی طرف سے اس پر سے مطالبہ ساقط ہو گیا، (ردالمحتار میں ہے) یہ حکم قرض خواہ کے وارثوں کا بھی شامل ہے کہ اگر اُسکے وارثوں کو جانتا ہے تو اب اُنکو دینا لازم ہے، کیونکہ دین اب اُنکا حق ہے۔

[ابن عابدين، الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) كتاب اللقطه، 4/283]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

26 ربیع الثانی 1445ء 11 نومبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، گھر کے نیچے والے پورشن میں بیٹھ کر کوئی تلاوت کر رہا ہو تو کیا اُوپر والے پورشن یا چھت پر آمد و رفت کر سکتے ہیں، قرآن پاک کی بے ادبی تو نہیں؟ (سائل: گجر جی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسؤلہ میں اوپر والے پورشن یا چھت پر آمد و رفت جائز ہے، اگرچہ نیچے والے پورشن میں بیٹھ کر کوئی قرآن پاک پڑھ رہا ہو کیونکہ تعظیم و توہین کا مدار عرف و رواج پر ہے، یعنی عموماً معاشرے میں جسے ادب سمجھا جائے وہ ادب اور جسے بے ادبی سمجھا جائے وہ بے ادبی، جبکہ ہمارے عرف میں اسے، بے ادبی نہیں سمجھا جاتا، نیز اس صورت میں بے ادبی کا حکم لگانے سے مشقت اور شدید حرج واقع ہو گا کیونکہ عموماً ہر گھر میں قرآن پاک و دیگر مقدس کُتب موجود ہوتی ہیں، اور پھر وقتاً فوقتاً چھت وغیرہ پر بھی جانا پڑتا ہے۔ جبکہ اُمت کے مستند فقہائے کرام نے اس حوالے سے اپنی کُتب میں یہ اصول ذکر فرمائے: اَلْحَرَجُ مَدْفُوْعٌ حرج دور ہے یعنی اسے دور کیا جاتا ہے۔ اور اَلْمَشَقَّةُ تَجْلُبُ التَّيْسِيْرَ یعنی مشقت آسانی لاتی ہے، یعنی جہاں بہت مشقت آجائے تو وہاں شریعت آسانی پیدا کر دیتی ہے۔

(المبسوط للسرخسی، الاشباہ والنظائر)

فتاوی رضویہ میں ہے: امورِ ادب میں قطعاً عرف کا اعتبار۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں: فيحال على المعهود حال قصد التعظيم یعنی تعظیم مقصود ہونے کے وقت اسے عرف پر محمول کیا جائیگا۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 5، صفحہ 650، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایک اور مقام پر ہے: تعظیم و توہین کا مدار عرف پر ہے۔ (فتاوی رضویہ، جلد 6، صفحہ 634، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

26 ربیع الثانی 1445ھ 11 نومبر 2023ء

وعلیٰ آلک واصحابک یاحبیب اللہ

سوال: مفتی صاحب، اگر کسی فصل کو گندے، بدبودار نالی، گٹر وغیرہ کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو تو اس فصل کا کھانا کیسا ہے؟ (سائل: ثاقب علی رضا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جس کھیت کو گندے نالے وغیرہ کے ناپاک پانی سے سیراب کیا گیا ہو اُس کھیت کی فصل، سبزیاں کھانا جائز ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ رد المحتار میں ایسے کھیت کی سبزیوں کے متعلق فرماتے ہیں: **وفی أبی السعود: الزروع المسقیۃ بالنجاسات لا تحرم ولا تکرہ عند أکثر الفقہاء** یعنی فتاوی ابو سعود میں ہے: وہ کھیتیاں جنہیں ناپاک پانیوں سے سیراب کیا گیا، وہ حرام نہیں، اور اکثر فقہائے کرام کے نزدیک مکروہ بھی نہیں۔

[ابن عابدین، الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار)، کتاب الحظر والإباحۃ، ۶/۳۴۱]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

02 ربیع الثانی 1445ھ 18 اکتوبر 2023ء

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

الرضا قرآن وفقہ اکیڈمی آن لائن

مسجد کے احاطے میں لگے پھل توڑ کر کھانا

سوال: مفتی صاحب، مسجد کے امرود توڑ کر کھانا کیسا ہے؟ (سائل: ظفر علی شاہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

1 : مسجد میں اگر کسی نے پھل دار درخت اس نیت سے لگائے کہ اس درخت سے نمازی پھل کھائیں تو یہ پھل کھانا جائز ہے۔

2 : اگر یہ درخت مسجد پر وقف ہوں یا انکو لگانے والے کا علم نہ ہو تو ان درختوں سے قیمت ادا کیے بغیر پھل کھانا جائز نہیں۔

3 : اگر وہ درخت کسی کی ملکیت میں ہوں تو اب مالک کی اجازت سے لے کر کھا سکتے ہیں، لیکن یہ یاد رہے کہ مسجد کے احاطے میں کسی کو اپنے لیے درخت لگانا جائز نہیں۔

علامہ سراج الدین ابن نجیم مصری فرماتے ہیں: **وما غرس في المساجد من الأشجار المثمرة إن غرس للسبيل وهو وقف العامة كان لكل من دخل المسجد من المسلمين أن يأكل منها وإن غرس للمسجد لا يجوز وصرفها إلى مصالح المسجد الأهم فالأهم كسائر الموقوف وكذا إن لم يعلم غرض الغارس** یعنی مساجد میں جو پھل دار درخت وقف عامہ کے طور پر لگائے گئے، مسجد میں داخل ہونے والا ہر ایک مسلمان اُن میں سے کھا سکتا ہے، اور اگر وہ درخت مسجد کے لیے ہیں تو اب کھانا جائز نہیں، اور ان موقوفہ پھلوں کی آمدن اہم اہم مصالح مسجد میں صرف ہو گی جیسے کہ دیگر وقفی آمدن، اور جب ان درختوں کو لگانے والا معلوم نہ ہو پھر بھی یہی حکم ہے۔

[ابن نجیم، سراج الدین، النهر الفائق شرح كنز الدقائق، كتاب الوقف، ۳/۳۱۸]

فتاوی رضویہ میں ہے: اگر وہ پیڑ مسجد پر وقف ہیں تو بلا ادائے قیمت جائز نہیں ورنہ مالک کی اجازت درکار ہے اگرچہ اسی قدر کہ اس نے اسی غرض سے لگائے ہوں کہ جو مسجد میں ہوں ان سے تمتع کرے۔ [فتاوی رضویہ، جلد 16، صفحہ 443، رضا فاؤنڈیشن لاہور]

ایک اور مقام پر ہے: مسجد کی زمین میں اپنے لئے درخت لگانا حرام ہے کہ وقف میں تصرف مالکانہ ہے..... اگر اس کے اُکھیڑنے میں زمین وقف کا نقصان نہیں جبراً اُکھڑوا دیا جائے گا..... اور اگر اس میں زمین وقف کا ضرر ہو تو درخت مسجد کی ملک کر لیا جائے گا اور اندازہ کریں گے کہ اس وقت اس درخت کی قیمت زیادہ ہے اکھیڑ کر بیچنے میں کم ہو جائے گی یا جدا کر کے بیچنے میں دام زیادہ اٹھیں گے اس وقت قیمت کم آئیگی دونوں حالتوں میں جس صورت پر کم قیمت اٹھے وہ کم قیمت مسجد کے مال سے لگانے والے کو دی جائے گی۔

[فتاوی رضویہ، جلد 16، صفحہ 453، رضا فاؤنڈیشن لاہور]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

05 جمادی الثانی 1445ء 19 دسمبر 2023ھ

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، اگر وعدہ کرتے وقت، بندے کا دل میں کام کرنے کا ارادہ ہو لیکن بعد میں کسی سبب سے وہ کام نہ کر سکے تو کیا حکم ہے؟ (سائل: محمد عثمان عطاری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

وعدہ کرتے وقت دل میں وعدہ پورا کرنے کی نیت ہو لیکن بعد میں کسی عذر کے سبب وعدہ پورا نہ ہو سکے تو کوئی گناہ یا کراہت وغیرہ نہیں، ترمذی شریف میں ہے: **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إذا وعد الرجل وینوی أن یفی بہ فلم یف بہ فلا جناح علیہ** یعنی حضور علیہ السلام نے فرمایا جب کوئی شخص وعدہ کرے اور اُسے پورا کرنے کی نیت ہو لیکن پورا نہ کر سکے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔
[الترمذی، سنن الترمذی، أبواب الإیمان، باب ما جاء فی علامۃ المنافق، ۵/۲۰]

اس حدیث کے تحت ملا علی قاری فرماتے ہیں: **ومفھومہ أن من وعد ولیس من نیتہ أن یفی، فعلیہ الإثم سواء وفی بہ أو لم یف، فإنہ من أخلاق المنافقین، ولا تعرض فیہ لمن وعد ونیتہ أن یفی ولم یف بغیر عذر** یعنی مفہوم یہ ہے کہ جس نے وعدہ کیا اور اُسکی نیت میں پورا کرنا نہیں تو اُس پر گناہ ہے، چاہے وہ وعدہ پورا کرے یا نہ کرے، کیونکہ یہ منافقین کی خصلت ہے، اور جسکی نیت میں وعدہ پورا کرنا ہے لیکن وہ بغیر عذر کے پورا نہ کرے تو اُس پر کوئی تعرض (یعنی گناہ) نہیں۔ [مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب الوعد]

فتاوی رضویہ میں مذکور وعدہ توڑنے کی تین صورتوں کا خلاصہ: (1) وعدہ کرتے وقت ہی پورا کرنے کی نیت نہ ہو تو ناجائز و گناہ (2) بوقت وعدہ نیت سچی ہو لیکن کسی عذر کے سبب وعدہ پورا نہ کرنا گناہ یا کراہت کا سبب نہیں (3) بوقت وعدہ نیت سچی ہو پھر بغیر عذر کے وعدہ پورا نہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج12، ص 281 تا 283، رضا فاؤنڈیشن)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

25 ربیع الاول 1445ھ 12 اکتوبر 2023ء

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

کسی کا سلام دوسرے کو پہنچانے کا حکم

سوال: مفتی صاحب، کسی نے ایک شخص کو کہا فلاں کو میر اسلام کہنا، اب وہ شخص جان بوجھ کر دوسرے کو سلام نہیں پہنچاتا تو کیا وہ گنہگار ہو گا؟

(سائل: محمد رضوان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

اگر اس شخص نے سلام بھیجنے والے کا سلام دوسرے تک پہنچانے کے لیے ہاں کر دی تھی تو اب نہ پہنچانے پر گنہگار ہو گا کیونکہ اس صورت میں سلام دوسرے تک پہنچانا واجب ہوتا ہے، اور اگر سلام پہنچانے کے حامی نہ بھری تھی تو اب گنہگار نہیں کیونکہ اس صورت میں پہنچانا واجب نہیں بلکہ بہتر ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: **وإذا أمر رجلا أن يقرأ سلامه على فلان يجب عليه ذلك، كذا في الغياثية.** یعنی جب ایک شخص نے دوسرے کو کسی شخص پر اپنا سلام کہنے کا کہا تو اب اس پر سلام پہنچانا واجب ہے۔

[مجموعة من المؤلفين، الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام، ٥/٣٢٦]

اسکے متعلق علامہ شامی فرماتے ہیں: **والظاهر أن هذا إذا رضي بتحملها تأمل. ثم رأيت في شرح المناوي عن ابن حجر التحقيق أن الرسول إن التزمه أشبه الأمانة وإلا فوديعة اهـ. أي فلا يجب عليه الذهاب لتبليغه كما في الوديعة** یعنی ظاہر یہی ہے کہ یہ وجوب تب ہی جب اس شخص نے اس ذمہ داری کو قبول کیا ہو، میں (علامہ شامی) نے ابن حجر کی شرح مناوی میں (لکھا) دیکھا، تحقیق یہ ہے کہ اگر قاصد نے اس کو اپنے پر لازم کیا تو یہ امانت کے مشابہ ہے ورنہ ودیعت، یعنی ودیعت کہ طرح اس پر سلام پہنچانے کے لیے جانا واجب نہیں۔

[الدر المختار وحاشية ابن عابدين، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

12 ربیع الثانی 1445ء 28 اکتوبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

کیا خُدا حافظ کہنا بدعت ہے؟

سوال: مفتی صاحب، میں نے ایک بیان میں سنا تھا کہ خُدا حافظ کہنا بدعت ہے، کیا خُدا حافظ نہیں کہنا چاہیے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

رخصت ہوتے وقت سلام کرنا سنّت ہے، حدیثِ پاک میں اسی کی ترغیب ہے، البتہ اسکے ساتھ ساتھ خُدا حافظ کہنا بھی جائز کیونکہ یہ دعائیہ جملہ ہے اور رخصت کرتے وقت دعا دینا حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔

ترمذی شریف میں ہے: **أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا انتهى أحدكم إلى مجلس فليسلم، فإن بدا له أن يجلس فليجلس، ثم إذا قام فليسلم فليست الأولى بأحق من الآخرة** یعنی جب تم میں سے کوئی کسی مجلس کے پاس پہنچے تو انہیں سلام کرے پھر وہاں بیٹھنا ہو تو بیٹھ جائے، جب جانے لگے تو دوبارہ سلام کرے کہ پہلی مرتبہ کا سلام، آخری مرتبہ کے سلام سے بہتر نہیں۔ (یعنی دونوں مواقع پر سلام کرنے کی اپنی اپنی اہمیت ہے)

[الترمذی، محمد بن عیسی، سنن الترمذی ت شاکر، ابواب الإستئذان والآداب، ٥/٦٢]

ایک اور روایت میں ہے: **كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا ودع رجلا أخذ بيده، فلا يدعها حتى يكون الرجل هو يدع يد النبي صلى الله عليه وسلم، ويقول: استودع الله دينك وأمانتك وآخر عملك** یعنی حضور علیہ السلام جب کسی کو رخصت فرماتے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک وہ خود ہاتھ پیچھے نہ کرتا، اور فرماتے: میں تمہارا دین، امانت اور آخری عمل، اللہ پاک کے سپرد کرتا ہوں۔

[سنن الترمذی ت شاکر، ابواب الدعوات، باب ما يقول إذا ودع إنسانا]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

05 ربیع الثانی 1445ء 21 اکتوبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ — وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

یسین، محمد یسین، محمد طہ، غلام یسین نام رکھنا

سوال: مفتی صاحب، یاسین، محمد یاسین محمد طہٰ، غلام یاسین نام رکھنا کیسا؟ (سائل: امجد سلیم، محمد اویس)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

یٰسین، محمد یٰسین اور محمد طٰہٰ نام رکھنا منع ہے کیونکہ یہ حروف مقطعات میں سے ہیں جنکا معنی ہمیں معلوم نہیں، علماء فرماتے ہیں ممکن ہے یہ اللہ تبارک و تعالی یا حضور علیہ السلام کے ان اسماء میں سے ہوں جن کا اطلاق غیر خدا اور رسول پر درست نہ ہو، لہذا ایسے نام رکھنے اجتناب کرنا چاہیے، البتہ ان ناموں کے شروع میں غلام لگادیں تو حرج نہیں جیسے غلام یاسین۔

احکام القرآن لابن العربی میں ہے: روایۃ أشھب عن مالک: لا یسمی أحد یس؛ لأنہ اسم اللہ.... وإنما منع مالک من التسمیۃ بھذا، لأنہ اسم من أسماء اللہ لا یدری معناہ، فربما کان معناہ ینفرد بہ الرب. یعنی اشہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ کوئی شخص بھی یٰس نام نہ رکھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے.... اور امام مالک نے یہ نام رکھنے سے اس لئے منع فرمایا کہ یہ ان اسماء سے ہے جن کے معنی معلوم نہیں، ہوسکتا ہے اس کا وہ معنی ہو جو رب تعالیٰ کے لئے خاص اور منفرد ہو۔

[ابن العربی، أحکام القرآن لابن العربی ط العلمیۃ تحت الآیۃ یس، 4/19]

فتاوی رضویہ میں ہے: یٰسین وطٰہٰ نام رکھنا منع ہے کہ اسمائے الٰہیہ واسمائے مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے نام ہیں جن کے معنی معلوم نہیں، کیا عجب کہ ان کے وہ معنی ہوں جو غیر خدا اور رسول میں صادق نہ آسکیں تو ان سے احتراز لازم..... بعینہ یہی حال اسم طٰہٰ کا ہے ..... لفظ پاک محمد ان میں شامل کردینا ممانعت کی تلافی نہ کرے گا کہ یٰس وطٰہٰ اب بھی نامعلوم المعنی ہی رہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد 24، صفحہ 680،681، رضافاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

23 جمادی الاول 1445ء 08 دسمبر 2023ھ

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن وفقہ اکیڈمی آن لائن

محمد حاشر نام کا مطلب، نام رکھنا کیسا

سوال: مفتی صاحب، کیا محمد حاشر نام رکھنا درست ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟ (سائل: عدنان دانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

حاشر یا محمد حاشر نام رکھنا جائز ہے، کیونکہ حدیث پاک میں انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء مبارکہ پر نام رکھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے، اور "محمد" کی طرح "حاشر" بھی ہمارے پیارے نبی پاک علیہ السلام کا اسم مبارک ہے، اور یہ کوئی ایسا اسم بھی نہیں جو صرف آپ علیہ السلام کی ذات کے ساتھ خاص ہو نیز حاشر کا مطلب "جمع یعنی اکٹھا کرنے والا" ہے، چنانچہ حدیث پاک میں ہے: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تسموا بأسماء الأنبياء یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں پر اپنے نام رکھو۔ [سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في تغيير الأسماء، ۴/۲۸۷]

صحیح مسلم شریف میں ہے: عن أبي موسى الأشعري، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسمي لنا نفسه أسماء، فقال: «أنا محمد، وأحمد، والمقفي، والحاشر، ونبي التوبة، ونبي الرحمة» یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ہم کو اپنے نام پاک بتاتے فرماتے تھے کہ میں محمد ہوں، احمد ہوں، مقفی ہوں، میں حاشر ہوں، میں توبہ کا نبی ہوں، میں رحمت کا نبی ہوں۔

[صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب في أسمائه صلى الله عليه وسلم، 4/1828]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــــــــــہ

ابو الحسن محمد حق نواز مدنی

15 ربیع الثانی 1445ھ 31 اکتوبر 2023ء

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

میت کے مال سے ایصال ثواب کی محفل کرانا

سوال: مفتی صاحب، ایک شخص فوت ہوا جس نے 30000 روپے چھوڑے، اور اسکے چار بیٹے چار بیٹیاں ہیں، جن میں سے ایک بیٹا اور بیٹی نابالغ ہیں، جبکہ گھر والے چاہتے ہیں ان پیسوں سے میت کے لیے ختم پڑھوا دیں، کیا یہ جائز ہے؟ (سائل: ماہی حسین)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

پوچھی گئی صورت میں نابالغ بچوں کے حصے سے ختم پڑھوانا جائز نہیں، باقی دیگر جو بالغ ورثاء اپنے حصے سے ختم پڑھوانے پر راضی ہوں فقط اُنکے حصے سے ختم پڑھوانا جائز ہے۔

البحر الرائق میں ہے: وفی الخانية، وإن اتخذ ولی المیت طعاما للفقراء کان حسنا إذا کانوا بالغین، وإن کان فی الورثة صغیر لم یتخذ ذلك من التركة. یعنی خانیہ میں ہے، اگر میت کا ولی فقراء کے لیے کھانا تیار کرائے تو اچھا ہے، جبکہ سب وارث بالغ ہوں اور اگر کوئی وارث نابالغ ہو، تو میت کے ترکہ سے نہ بنائے۔

[البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی المیت فی المسجد، 2/207]

بہارِ شریعت میں ہے: تیجہ، دسواں، چالیسواں، ششماہی، برسی کے مصارف میں بھی یہی تفصیل ہے کہ اپنے مال سے جو چاہے، خرچ کرے اور میّت کو ثواب پہنچائے اور میّت کے مال سے یہ مصارف اُسی وقت کیے جائیں کہ سب وارث بالغ ہوں اور سب کی اجازت ہو، ورنہ نہیں، مگر جو بالغ ہو اپنے حصہ سے کر سکتا ہے۔ (بہارِ شریعت، ج 1، حصہ 4، ص 822، مکتبۃ المدینہ)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

21 جمادی الاول 1445ھ 06 دسمبر 2023ء

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن وفقہ اکیڈمی آن لائن

عورت کا زیور مسجد میں دینے کی وصیت

سوال: مفتی صاحب ایک عورت فوت ہوئی، اس نے وصیت کی تھی کہ میرا سارا زیور مسجد میں دے دینا، اسکی اولاد بھی نہیں ہے، البتہ شوہر زندہ ہے، کیا وصیت پر عمل ہو گا؟ (سائل: اصغر علی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

اگر یہ زیور اس عورت کے کل ترکے میں سے تہائی مال یا اس سے کم ہے تو وصیت پر عمل ہو گا، یعنی یہ سارا زیور مسجد میں دے دیا جائے گا۔

اور اگر یہ زیور تہائی مال سے زیادہ ہے تو تہائی مال کے برابر وصیت پر عمل ہو گا، اس سے زائد مسجد میں نہیں دے سکتے، البتہ اگر شوہر اور دیگر وراثت کے حقدار اجازت دے دیں، اور وہ اجازت کے اہل بھی ہوں تو پھر سارا زیور مسجد میں دے سکتے ہیں۔

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے: **وهی (الوصية) مندوبة...وهی مقدرة بالثلث.... وما زاد على الثلث وللقاتل والوارث تصح بإجازة الورثة، وتعتبر إجازاتهم بعد موته.** یعنی وصیت کرنا مستحب ہے۔۔اور یہ ایک تہائی مقرر ہے۔۔ اور تہائی سے زائد یا قاتل کے لیے یا وارث کے لیے ورثاء کی اجازت کے ساتھ صحیح ہے، اور اجازت کا اعتبار موت کے بعد کیا جائے گا۔

[ابن مودود الموصلی، الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الوصایا]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

27 ربیع الاول 1445ء 14 اکتوبر 2023ھ

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ — وعلیٰ الک واصحابک یاحبیب اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

بیٹی، سگی بہن اور باپ شریک بہن بھائیوں کی وراثت

سوال: مفتی صاحب، میرے ماموں کا انتقال ہو گیا، انکے والدین حیات نہیں، بیوی کو بھی کئی سال قبل طلاق دے دی تھی، صرف ایک بیٹی اور ایک سگی بہن ہے، البتہ نانا ابو کی دوسری شادی بھی تھی جس سے میرے ماموں کی تین بہنیں اور چھ بھائی ہیں، پوچھنا یہ تھا کہ کیا ان باپ شریک بھائیوں کو بھی، وراثت سے حصہ ملے گا، نیز ماموں نے وصیت بھی کی تھی کہ میرا سارا مال مسجد میں دے دیا جائے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

اگر وارثوں کی دی گئی معلومات درست ہے تو تجہیز و تکفین اور قرض کی ادائیگی کے بعد مرحوم کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے کل مال کا تیسرا حصہ مسجد میں دیا جائے پھر بقیہ مال کے دو حصے کرکے آدھا مال مرحوم کی بیٹی اور آدھا سگی بہن کو دیا جائے گا، باپ شریک بہن بھائیوں کو کچھ نہ ملے گا، نیز بیٹی اور سگی بہن دونوں کی رضامندی سے سارا مال مسجد میں بھی دے سکتے ہیں بشرطیکہ دونوں بالغہ ہوں ورنہ جو بالغہ راضی ہو فقط اسکا حصہ دے سکتے ہیں۔

تنویر الابصار مع در مختار میں ہے: **(و) يسقط (بنو العلات) وهم الإخوة والأخوات لأب... بالابن وابنه وبالأب والجد وكذا بالأخت لأبوين إذا صارت عصبة.** یعنی علاتی (باپ شریک) بہن بھائی... میت کے بیٹے، پوتے، باپ اور دادا کے سبب وراثت سے محروم ہوں گے، ایسے ہی حقیقی بہن جب عصبہ بن جائے تو اسکے سبب بھی علاتی بہن بھائی محروم ہوتے ہیں۔

[الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار)، كتاب الفرائض، ٦/٧٨٢]

الاختیار لتعلیل المختار اور فتاوی ہندیہ میں ہے: **بنت وأخت لأبوين وأخ أو إخوة لأب فالنصف للبنت والنصف الثاني للأخت ولا شيء للإخوة.** یعنی وارثوں میں حقیقی بیٹی، حقیقی بہن اور علاتی بھائی یا بہن ہوں تو، نصف جائیداد بیٹی اور دوسری نصف حقیقی بہن کو ملے گی، علاتی بہن بھائیوں کے لیے کچھ نہ ہوگا۔

[الفتاوى الهندية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات، ٦/٤٥١]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

12 جمادی الثانی 1445ھ 26 دسمبر 2023ء

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

سوال: مفتی صاحب، مرنے والے (دادا) کی وراثت سے یتیم پوتوں کو حصہ ملے گا، حالانکہ مرنے والے کے اپنے بیٹے زندہ ہیں؟

(سائل: حسنین مدنی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

وراثت کے شرعی اصولوں کے مطابق، بیٹوں کی موجودگی میں پوتوں کو، مرحوم دادا کی وراثت سے حصہ نہیں ملتا کیونکہ پوتوں کی بنسبت بیٹے میت کے زیادہ قریب ہیں۔

البتہ یہ بھی یاد رہے کہ بالکل ایسا بھی نہیں کہ یتیم پوتوں کو دادا کے مال سے کچھ مل ہی نہیں سکتا، مندرجہ ذیل تین طریقوں سے یتیم پوتے بھی اپنے دادا کے مال سے لے سکتے ہیں:

1 دادا اپنی حیات میں ہی کچھ جائیداد، نقدی وغیرہ پوتوں کو ہبہ کردے۔

2 دادا اپنے کل مال سے ایک تہائی 1/3 تک پوتوں کے لیے وصیت کر جائے، تو بھی پوتے دادا کے مال سے ایک تہائی تک حقدار بن جائیں گے۔

3 بالغ ورثاء کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے حصے سے کچھ ان یتیم پوتوں کو بھی دے دیں، چنانچہ غیر وارثوں خصوصاً یتیموں، رشتہ داروں کو، مال وراثت سے کچھ دینے کی ترغیب دلاتے ہوئے اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا: وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ترجمہ: پھر بانٹتے وقت اگر رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آجائیں تو اس میں سے انہیں بھی کچھ دو اور ان سے اچھی بات کہو۔ (القرآن، پارہ 4، سورۃ النساء، آیت 8)

المختار مع الاختیار لتعلیل المختار میں ہے: (ستة لا یحجبون أصلا: الأب والابن والزوج والأم والبنت والزوجة، ومن عدا هؤلاء فالأقرب یحجب الأبعد) کالابن یحجب أولاد الابن یعنی کل چھے رشتے باپ، بیٹا، ماں، بیٹی، شوہر، اور بیوی وراثت سے محروم نہیں ہو سکتے، اور انکے علاوہ قریبی دور والے کو محروم کردے گا جیسا کہ بیٹا پوتے کو محروم کر دیتا ہے۔

[ابن مودود الموصلی، الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الفرائض، فصل فی الحجب، ۹۴/۵]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

25 ربیع الثانی 1445ھ 10 نومبر 2023ء

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

ایک سے زائد بیویوں کا وراثت میں حصہ

سوال: مفتی صاحب، اگر کسی مرنے والے کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو وراثت کی تقسیم میں ان بیویوں کو کتنا حصہ ملے گا، سب کو الگ الگ آٹھواں حصہ ملے گا یا آٹھویں میں سب شریک ہونگی؟ (سائل: محمد تنویر الحسن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

میت کا قرض، تجہیز و تکفین اور جائز وصیت کی صورت میں تہائی مال تک کی وصیت ادا کرنے کے بعد بقیہ مال میں سے میت کی اولاد ہونے کی صورت میں بیویوں کو کل مال کا آٹھواں اور اولاد نہ ہو تو کل مال کا چوتھا حصہ ملے گا، اور سب بیویاں اسی حصے میں برابر برابر شریک ہوں گی، سب کو الگ الگ آٹھواں یا چوتھا نہیں ملے گا۔

قرآن پاک میں ہے: وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌۚ-فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ ترجمہ: اور اگر تمہارے اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکہ میں سے عورتوں کے لئے چوتھائی حصہ ہے، پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے (یہ حصے) اس وصیت کے بعد (ہوں گے) جو وصیت تم کر جاؤ اور قرض (کی ادائیگی) کے بعد (ہوں گے) (القرآن، سورۃ النساء، آیت نمبر 12)

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے: والزوجات والواحدة يشتركن في الربع والثمن ... وعليه الإجماع. یعنی زیادہ بیویاں اور ایک بیوی، چوتھے یا آٹھویں میں ہی شریک ہوں گی... اس پر اجماع ہے۔ [ابن مودود الموصلی، الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الفرائض]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

15 ربیع الثانی 1445ء 31 اکتوبر 2023ھ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

بیٹی کے ساتھ میت کے بھتیجوں کا وراثت میں حق

سوال: مفتی صاحب ایک شخص فوت ہوا، جسکی ایک بیٹی اور تین بھتیجے ہیں، اسکے علاوہ اور کوئی وارث نہیں، اب کیا بیٹی کے ساتھ بھتیجے بھی وارث ہوں گے، اور انہیں کتنا حصہ ملے گا؟ (سائل: محمد ثمامہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر واقعی میت کا کوئی بیٹا، پوتا نہ ہو اور باپ دادا، بھائی بھی نہ ہو تو اس صورت میں میت کے بھتیجے وراثت کے حقدار ہوں گے، لہذا اس صورت میں میت کی نصف جائیداد بیٹی کو دینے کے بعد بقیہ جائیداد تینوں بھتیجوں میں برابر برابر تقسیم ہو گی۔

اکیلی بیٹی کی وراثت کے متعلق قرآن پاک میں ہے: **وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ** ترجمہ: اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا حصہ ہے۔ (القرآن، سورۃ النساء، آیت 11)

الاختیار لتعلیل المختار، میں بقیہ مال لینے والے، عصبات کی وراثت کے متعلق ہے: واقربھم جزء المیت وھم بنوہ ثم بنوھم وان اسفلو ثم أصلہ وھو الأب، ثم الجد، ثم جزء أبیہ، ثم بنوھم. یعنی اور ان میں سب سے زیادہ قریبی میت کا جزء یعنی بیٹے ہیں، پھر اس کے بیٹے یعنی پوتے، اگرچہ نچلے درجے کے ہوں، پھر اصل میت یعنی باپ، پھر دادا، پھر میت کے باپ کا جزء یعنی بھائی پھر اُن کے بیٹے یعنی میت کے بھتیجے۔

[الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الفرائض، فصل فی العصبات، الجزء الخامس، ۹۳/۵]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

27 ربیع الاول 1445ھ 14 اکتوبر 2023ء

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ   وعلیٰ اٰلک واصحابک یاحبیب اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

وراثت کا حقدار ماموں یا چچا
غیر وارث رشتہ دار کو وراثت میں سے دینا

سوال: مفتی صاحب، ایک عورت کا انتقال ہو گیا، اس کے صرف دور شتہ دار ہیں، ان کے علاوہ قریب کا اور دور کا کوئی رشتہ دار نہیں، ایک چچا اور ایک ماموں، اب اس کے چھوڑے ہوئے ترکے کا وارث کون ہو گا، چچا یا ماموں یا دونوں ؟ (سائل: محمد رمضان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

اگر واقعی مرنے والی کا اور کوئی وارث نہیں تو تجہیز و تکفین، میت کا قرض اتارنے اور وصیت ہونے کی صورت میں تہائی سے ادائیگی کے بعد، بچا ہوا سارا مال مرحومہ کے چچا کو ملے گا جیسا کہ وراثت کے اُصولوں میں درج ہے، ہاں چچا کے لیئے مستحب ہے کہ اس میں سے کچھ ماموں کو بھی دے دے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا: وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ترجمہ کنز الایمان: پھر بانٹتے وقت اگر رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آجائیں تو اس میں سے انہیں بھی کچھ دو اور ان سے اچھی بات کہو۔

[القرآن، سورۃ النساء، آیت نمبر 8]

فقہی اصطلاح میں چچا عصبات اور ماموں ذوی الارحام میں شمار ہوتا ہے، اور ذوی الارحام کے متعلق بحر الرائق میں ہے: فلا يرثون (ذوی الأرحام) مع أحد من العصبات یعنی ذوی الارحام عصبات میں سے کسی کے ہوتے ہوئے وارث نہیں ہوتے۔ [البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الفرائض، انواع الحجب، ۸/۵۷۵]

المحیط البرہانی میں ہے: وقرابة العم أقرب من قرابة الخال، ولهذا كان الميراث للعم دون الخال، یعنی ماموں کے مقابلے میں چچا کی قرابت زیادہ قریب ہے، اسی وجہ سے میراث چچا کے لیے ہوتی ہے نہ کہ ماموں کے لیے۔

[المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، کتاب الوقف، ۶/۱۶۷]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

29 جمادی الاول 1445ھ 14 دسمبر 2023ء

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

بیوہ چار بیٹوں اور ایک بیٹی کی وراثت

سوال: مفتی صاحب، ایک بندہ فوت ہوا اس نے ایک بیوہ چار بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑی، میت کے ترکہ میں ایک مکان تھا جس کی قیمت چالیس لاکھ ہے اب میت کے ورثاء کو کتنا کتنا حصہ ملے گا (میت کے والدین زندہ نہیں)؟ (سائل: محمد بلال عباسی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

اگر وارثوں کی معلومات درست ہیں تو میت کا قرض، تجہیز و تکفین اور جائز وصیت کی صورت میں تہائی مال تک کی وصیت ادا کرنے کے بعد بقیہ مال کے کل 72 حصے کرکے 9 حصے بیوہ کو اور 14، 14 حصے ہر ایک بیٹے کو، اور 7 حصے بیٹی کو ملیں گے، چنانچہ بیویوں کے متعلق قرآن پاک میں ہے: فَاِنۡ كَانَ لَكُمۡ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ ترجمہ: پھر اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے۔ (القرآن، سورۃ النساء، آیت نمبر12)

اولاد کے متعلق ارشاد فرمایا: يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ‌ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ‌ ترجمہ: اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے، بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ (القرآن، پارہ 4، سورۃ النساء، آیت نمبر11)

مسئلہ از 8 X 9 = 72

بیوی	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی
1/8	عصبہ				
9	14	14	14	14	7

نوٹ: کل مال (4000000) کو 72 پر تقسیم کرکے جواب کو، ہر وارث کے حصے میں ضرب دینے سے اُسکا حصہ نکل آئے گا

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کتبــــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

23 جمادی الاول 1445ء 08 دسمبر 2023ھ

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

کیا خُدا حافظ کہنا بدعت ہے؟

سوال: مفتی صاحب، میں نے ایک بیان میں سنا تھا کہ خُدا حافظ کہنا بدعت ہے، کیا خُدا حافظ نہیں کہنا چاہیے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

رخصت ہوتے وقت سلام کرنا سنّت ہے، حدیثِ پاک میں اسی کی ترغیب ہے، البتہ اسکے ساتھ ساتھ خُدا حافظ کہنا بھی جائز کیونکہ یہ دعائیہ جملہ ہے اور رخصت کرتے وقت دعا دینا حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔

ترمذی شریف میں ہے: **أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا انتهى أحدكم إلى مجلس فليسلم، فإن بدا له أن يجلس فليجلس، ثم إذا قام فليسلم فليست الأولى بأحق من الآخرة** یعنی جب تم میں سے کوئی کسی مجلس کے پاس پہنچے تو انہیں سلام کرے پھر وہاں بیٹھنا ہو تو بیٹھ جائے، جب جانے لگے تو دوبارہ سلام کرے کہ پہلی مرتبہ کا سلام، آخری مرتبہ کے سلام سے بہتر نہیں۔ (یعنی دونوں مواقع پر سلام کرنے کی اپنی اپنی اہمیت ہے)

[الترمذی، محمد بن عیسی، سنن الترمذی ت شاکر، ابواب الإستئذان والآداب، ۶۲/۵]

ایک اور روایت میں ہے: **كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا ودع رجلا أخذ بيده، فلا يدعها حتى يكون الرجل هو يدع يد النبي صلى الله عليه وسلم، ويقول: استودع الله دينك وأمانتك وآخر عملك** یعنی حضور علیہ السلام جب کسی کو رخصت فرماتے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک وہ خود ہاتھ پیچھے نہ کرتا، اور فرماتے: میں تمہارا دین، امانت اور آخری عمل، اللہ پاک کے سپرد کرتا ہوں۔

[سنن الترمذی ت شاکر، ابواب الدعوات، باب ما يقول إذا ودع إنسانا]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــہ

ابوالحسن محمد حق نواز مدنی

05 ربیع الثانی 1445ء 21 اکتوبر 2023ھ

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی آن لائن

بیوہ، بیٹے اور بیٹی کی وراثت

سوال: مفتی صاحب، زید کا انتقال ہو گیا اور اس کی پہلی بیوی (جس کا انتقال پہلے ہو چکا تھا) سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے اور دوسری بیوی (جو حیات ہے) سے دو بیٹے ہیں ایسی صورت میں وراثت کیسے تقسیم ہو گی؟ (سائل: شاکر انصاری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

اگر وارثوں کی معلومات درست ہیں تو میت میت کا قرض، تجہیز و تکفین اور جائز وصیت کی صورت میں تہائی مال تک کی وصیت ادا کرنے کے بعد بقیہ مال کے کل آٹھ حصے کریں گے، جس میں سے ایک حصہ زندہ بیوی کو، ایک حصہ بیٹی کو اور دو دو حصے تین بیٹوں کو ملیں گے چنانچہ بیویوں کے متعلق قرآن پاک میں ہے: فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ترجمہ: پھر اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے۔ (القرآن، سورۃ النساء، آیت نمبر 12)

اولاد کے متعلق ارشاد فرمایا: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْۗ-لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ترجمہ: اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے، بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ (القرآن، پارہ 4، سورۃ النساء، آیت نمبر 11)

مسئلہ از 8

بیوی	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی
1/8	عصبہ			
1	2	2	2	1

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــہ

ابو الحسن محمد حق نواز مدنی

03 جمادی الاول 1445ء 18 نومبر 2023ھ